رجسٹرڈ در اعظم سیالکتب خانہ دار الریاست رامپور ۲۲ اپریل ۱۹۱۵
خریدار منجر اخبار اہل حدیث

یا رحمن یا رحیم

کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز

خدا کا وعدہ ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔
خدا بڑا طاقتور زبردست ہے۔

الحمد للہ

رسالہ

تغلیب الاسلام

بجواب تہذیب الاسلام جلد چہارم

جسمیں ماشہ دہرسیال کی نئی تصنیف تہذیب الاسلام جلد چہارم کا معقول جواب ہے

مصنفہ

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب (مولوی فاضل) مصنف تفسیر ثنائی اردو
و تفسیر القرآن بکلام الرحمن عربی وغیرہ وغیرہ

جون سنہ ۱۹۰۶ء
مطبع اہلحدیث امرتسر میں بماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۴ھ طبع ہوا
قیمت ۴ر
محصول علاوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی النبی واٰلہٖ

دیباچہ

تغلیب الاسلام

جلد چہارم

پہلے مجھے دیکھیے

دنیا میں یوں تو کوئی کسی کی زبان بند نہیں کر سکتا - کوئی کتنا ہی غلط گو ہو - بار بار کہو جاتا ہی بلکہ با اوقات صاف گو سے غلط گو - گویائی میں سبقت لیجاتا ہی کیونکہ صاف گو کے ناصح یہ کہکر کہ ع جوابِ جاہلاں باشد خموشی - اُسے چُپ کرا دیتے ہیں - تو پھر آخر اس بات کا کیا فیصلہ ہے کہ کون حق پر ہی اور کون ناحق پر؟ اس کا فیصلہ واقعات سے ہو سکتا ہے کہ جس کا بیان متعلق واقع کے غلط ہو - وہ غلط گو ہی - خواہ کتنی ہی چکنی چپڑی باتیں کرے - اور جسکا بیان واقع کے مطابق ہے وہ راست گو ہی - خواہ وہ کتنا ہی کم گو کیوں نہو - اسکی مثال سُننی چاہو - تو ہمارے مخاطب مسٹر دھرمپال (سابق بابو عبد الغفور) کی تہذیب کی ہر جلد کا دیباچہ پڑھو - پھر ہماری جلد اول اور دویم تغلیب الاسلام کا دیباچہ دیکھو تو موازنہ سہل ہو جائیگا - کہ واقعات کس کی تائید کرتے ہیں -

مسٹر موصوف اپنی ہر جلد کے شروع میں شکایت کرتا ہی کہ -

"میری لیکچر (ترک اسلام) کی تردید میں کتاب پر کتاب نکلنی لگی - جھوٹا - جاہل - ناپاک باطن - خود غرض - زہریلا سانپ - مرتد - مردود - کمبخت وغیرہ خطابات کا مجھے مستحق گردانا گیا" (صفحہ ۲)

جس کے جواب میں ہمنے جلد اول تغلیب میں مسٹر دہرم پال کے لیکچر ترک اسلام سے چند ایک حوالجات لکھے تھے جو یہاں بھی بغرض مزید تشریح لکھے جاتے ہیں - پس سنئیے!

"قرآن کے ریگستانی اور وحشیانہ مسائل ص۶ آب شور ص۸ پتھر کنکر ص۱۰ تہذیب سے نیچے یعنی غیر مہذب ص۱۱ سب سے بڑی مکروہ تعلیم ص۱۵ مسلمانوں کے خدا کے کان بہرے ص۱۵ فضول اور شیطانی ڈھکوسلے - خدا بھنگڑ ص۱۸ ڈھکوسلہ ص۱۹ من گھڑت - سراسر حماقت ص۲۰ کیا بلا ہے - لغویات ص۲۱ خدا کی کند ذہنی ص۲۲ لوح محفوظ بھی گھس گئی (منسوخ) ص۲۳ قرآن واہیات کہانیاں ڈھکوسلے بوسیدہ قصے طمع ص۲۴ نادانوں کی باتیں - ڈھکوسلے اور مکروہ اور گھناونی ص۲۷ مفسروں نے گپ ہانکدی ص۳۰ قابل شرم ص۳۱ حضرت تعصب حسین ص۳۳ قرآن کی لغویات پر دلیل - اس قسم کی لغویات - الہامی گپ ص۳۵ جہالت ص۳۶ ایسی گپیں گھڑنے باتیں ص۳۷ جہالت کا زمانہ - ایسی جہالت - ایسی گپوں پر گپ ہانکدی ص۳۹ اس قسم کی گپوں سے ام الکتاب بن رہی ہے ص۴۱ میں ایسی لغویات کو تسلیم نہیں کر سکتا ص۴۲ افسوس ہی جہالت پر حیف ہے ضلالت پر ص۴۳ لا یعنی باتیں سراسر لغو اور خلاف از عقل کیتنی بڑی گپ بلکہ گپ کا بہائی گپوڑا ص۴۵ جہالت پر افسوس ایسی لغویات ص۴۸ گپ علی الگپ صد حیف است بریں جہالت مجسم ص۴۹ صد افسوس ایسی گستاخانہ تعلیم پر ص۵۱ لا یعنی باتیں ص۵۳ صد حیف است برین تعلیم و تلقین ص۵۵ قانون قدرت کے بخلاف اور لغویات ص۶۳ وغیرہ"

ان حوالجات سے ہم نے ثابت کیا تھا کہ جن مصنفوں نے مسٹر دہرم پال کو الفاظ مذکورہ لکھے ہیں (گو ہماری منشاء کے خلاف لکھے ہیں) تاہم بہت کم لکھے ہیں -

یہ بھی ان حوالجات سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ اس بدترین طریق (بدزبانی اور دشنام دہی) کے بانی مبانی خود آپ ہی ہیں کیونکہ علماء اسلام نے اگر آپکو کوئی سخت لفظ کہا ہے تو رسالہ ترک اسلام کے بعد کہا ہے پہلے نہیں کہا - اور آپ نے جو دُر افشانی کی ہے وہ پہلے کی ہے

پس ذرہ انصاف تو کیجیے نکالا کس نے شر پہلے؟

اس کے علاوہ ہم نے آریوں کی تحریرات سن سن کر کہ علماء اسلام آریہ سماج کے حق میں سخت الفاظی کرتے ہیں۔ جلد دوئم تغلیب میں ثابت کیا تھا کہ سب سے اول اس بدترین طریق کے بانی مبانی آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند جی ہوئے ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے اپنی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش میں مسلمانوں اور مسلمانوں کے پیغمبروں اور کتابوں کو بری بری الفاظ سے یاد کیا ہے۔ جسکی فہرست یہ ہے۔ پس سنئے!

قرآن کا خدا ص۶۷۲ یہ شیطان سے بڑھکر شیطنت ص۶۷۴ جنگلی لوگوں میں پاکھنڈ چلایا ص۶۷۵ خدا نے یہ باتیں شیطان سے سیکھی ہونگی۔ دیکھئے خدا کی بے علمی ص۶۷۶ خودغرض ص۶۷۸ یہ تحریر (قرآن کی) کسی عالم کی نہیں (بلکہ جاہل کی ہے) معجزہ کی باتیں سب فضول اور سادہ لوحوں کو بہکانے کیلئے گھڑی گئی ہیں ص۶۷۹ بانی اسلام نے اپنا مطلب عیش و عشرت پورا کرنے کو لالچ دیا ص۶۸۳ یہ قرآن بے انصافی کی بات جاہل اور خودغرض لاعلم آدمی کی ہے خدا مسلمانوں کو فساد کرنے پر آمادہ کیوں کرتا ہے ص۶۸۵ قرآن نہ خدا کا نہ کسی دیندار عالم کا ہے ص۶۸۶ دیکھو لاعلمی کی بات۔ قرآن کے مصنف کو علم ہیئت اور جغرافیہ نہیں آتا تھا۔ واہ واہ دیکھو جی مسلمانوں کا خدا شعبدہ بازوں کی طرح کھیل رہا ہے ص۶۸۷ بہشت کیا ہے۔ طوائف خانہ ہے ص۶۸۸ محمد صاحب کی نیت صاف نہ تھی اسوقت جنگلی اور جاہل آدمی زیادہ تھے۔ اسی واسطے ایسے خلاف از علم مذہب چل گیا ص۶۸۹ خدا دھوکہ اور فریب کرتا ہے۔ خدا بھی مسلمانوں کے ساتھ جھوٹی محبت میں پھنسا ہوا ہے ص۶۹۰ خدا بڑا شیطان ہے ایسی تعلیم (یعنی قرآن کی تعلیم) کنوئیں میں ڈالنی چاہئے۔ ایسے جاہلانہ مذہب ص۶۹۲ محمد صاحب نے یہ باتیں عیش و عشرت کے لئے بنائیں ص۶۹۳ واہ جی وا مسلمانوں کے خدا محمد صاحب نے اپنا مذہب نکالا ص۶۹۴ مسلمانوں کا خدا بھی شیطان کا کام کرتا ہے نہ خدا کا کلام ہے نہ کسی عالم کی تصنیف ص۶۹۵ تمہارا خدا بہرہ ہے ص۶۹۶ ایسی جھوٹی باتوں کو خدا اور محمد صاحب بھی مانتے تھے ص۶۹۸ پاگلانہ بکواس ہے۔ یہ سب فریب قرآن کے مصنف کا ہے ص۶۹۹ یہ قرآن خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ کسی مکار فریبی کا بنایا ہوا ہوگا۔ ایسی ذہنیت

ایسا خدا اور ایسا پیغمبر امن عامہ میں رخنہ انداز صہ ۶۹۹ مسلمانوں کے خدا سے انصاف اور
رحم وغیرہ نیک اوصاف دور بھاگتے ہیں - یہ تعلیم خدا کی تو کیا کسی شریف آدمی کی بھی نہیں ہو سکتی
صہ ایسے خدا کو ہماری طرف سے ہمیشہ تلانجلی (ترک) ہے خدا کیا ہے - ایک تماشہ گر ہے تعجب
ہے عقلمند لوگ ایسے بے بنیاد اور نامعقول مذہب کے قائل ہیں - لالچ نہ دیتے تو کوئی محمد صاحب
کے دام میں نہ پھنستا - دیکھئے - خود غرضی تعصب اور جہالت سے بھری ہوئی صہ واہ جی واہ
محمد صاحب آپ نے تو گوسائیوں کی ہمسری کرلی - واہ اللہ میاں آپ نے اچھی سوداگری
جاری کی - عقلمند اور شریفوں کے نزدیک قابل نفرت ہو گیا - دیکھئے محسن کشی - تحقیق ہوا کہ
مصنف قرآن علم طبعیات کو بھی نہیں جانتا تھا صہ وحشی لوگوں نے یہ کتاب بنائی ہے
واہ جی واہ خدا کی اودھمی صہ ایسی باتیں جاہلوں کی ہوتی ہیں - خدا اور عالموں کی نہیں -
مسلمانوں کا خدا علم طبعی کچھ بھی نہیں جانتا - قرآن کا مصنف پادریوں کے علم کو بھی نہیں
جانتا - طرفہ غیر منصف اور جاہل ہے صہ خدا اور شیطان میں کیا فرق ہے ؟ صہ
شیطان کا بھی اُستاد کیوں نہیں - یہ سب بے علمی کی باتیں ہیں ایسی باتوں کو انجان لوگ
مان لیتے ہیں - قسم کھانا جھوٹوں کا کام ہے صہ ایسی اندھا دھند کارروائی بے علم چھوکروں
کی ہوا کرتی ہے - یہ تو لڑکپن کی بات ہے صہ واہ جی واہ ایسے کو خدا کہنا کم سمجھ آدمیوں
کی باتیں ہیں واہ جی واہ کیا قرآنی بہشت ہے صہ بھلا خدا کی کتنی نادانی ہے - لاعلمی کی
بات ہے قرآن کے مصنف کو جغرافیہ یا علم ہیئت نہ آتا تھا - ایسی خلاف از عقل باتیں
کیوں لکھ دیتا - اس کتاب کے معتقد بھی بے علم ہیں - ایسی کتاب کو وحشی لوگ ہی مانتے
ہیں صہ شائستگی کے خلاف بہت سی باتیں لکھی ہیں - اس کتاب میں بیان کردہ خدا
سچا خدا نہیں صہ ایسی فحش باتیں خدا کی کتاب میں کیا کسی شائستہ آدمی کی بھی نہیں ہیں یہ تحریر
کسی گمراہ کی بنائی ہوئی ہے صہ خدا اور مسلمان بڑے بت پرست ہیں صہ محض بے علمی کی
بات ہے مسلمانوں کا قرآن امن میں خلل انداز ہو کر غدر اور جھگڑا کرانیوالا ہے اسلئے دیندار
عالم لوگ اسے نہیں مانتے - یہ سب باتیں خلاف از علم ہیں صہ وحشی پن کا کام ہے
ایسی لغو باتیں صہ خدا کی بے خبری صہ واہ صاحب تمہارا علم والا بھی ایسی تحریر

ہرگز نہیں کرسکتا۔ یہ تو سخت جہالت کی بات ہے یہ کتاب کسی عالم کی نہ خدا کی بنائی ہوئی ہو سکتی ہے ض۱۸ مسلمانوں کا خدا محدود المکان ہے آسمان پر سنگھاسن بیٹھا ہے قادر مطلق نہیں۔ ایسی کتاب نہ عالم کی نہ خدا کی بنائی ہوئی ہے ض۱۸ محمد صاحب نے اپنے عیش و عشرت کے لئے کیا۔ بڑے ظلم کی بات ہے واہ قرآن کے خدا اور پیغمبر محمد صاحب بڑے شہوت پرست تھے۔ بیٹے کی جورو سے نہ رک سکے۔ تو اوروں سے کیونکر رکے ہونگے۔ ایسی چالاکی ض۱۹ بھلا کون عقل کا اندھا ہوگا جو اس قرآن کو خدا کا بنایا ہوا اور محمد صاحب کو پیغمبر اور قرآن کے بتلائے ہوئے خدا کو سچا خدا مان سکے۔ خلاف دھرم مذہب کو اہل عرب نے قبول کر لیا ض۲۰ واہ صاحب واہ کیا خدا اپنی خدائی دھرم کے ساتھ دکھلاتا ہے۔ واہ کیسے موذی پیغمبر ہیں۔ خود غرض اور سخت ظلم کا ثبوت ملتا ہے ض۲۱ واہ کیا انوکھی فلاسفی ہے۔ محمد صاحب نیک چلن نہ تھے ض۲۲ خدا بھی شیطان کا ساتھی ہے ض۲۳ تھوڑی سی سچائی ہے باقی سب جھوٹ واہ جی واہ مسلمانو! تمہارا خدا۔ اس قسم کی یہ بھی جھوٹی بات ہے ض۲۵ دیکھیے مصنف قرآن کی چالاکی ض۲۶ گویا خدا مسلمانوں کا پروہت ہے ض۲۷ قرآنی خدا اور مسلمان غدر مچانے والے سب کو تکلیف دیتے ہیں۔ اور اپنا مطلب نکالنے والے ظالم ہیں۔ دیکھیے مصنف قرآن کی کارسازی ض۲۸ قسم کا کھانا اکثر دروغگو کا کام ہے ض۲۹ محمد صاحب کا چال چلن ان باتوں سے ظاہر ہے۔ محمد صاحب زانی تھے (مفہوم) دیکھیے خدا کی کارسازی ض۳۱ ایسی باتوں کو سوائے وحشی لوگوں کے دوسرا کون مانیگا ض۳۲ لونڈی بازی کی بنیاد قرآن ہے ض۳۳ یہ بڑی نادانی اور جنگلی پن کی بات ہے واہ جی قرآن کے مصنف فلاسفر یہ سب باتیں لڑکوں کی مانند ہیں ض۳۵ مصنف قرآن نے جغرافیہ و ہیئت کچھ بھی نہیں پڑھا تھا۔ خدا بھی علم و دلیل سے خارج لاعلم ہوگا ض۳۶ دلیل چڑیوں کے کام سے بھی خفا نہ بچا ض۳۷ یہ کتاب نہ خدا کی نہ کسی عالم کی نہ علم کی ہو سکتی ہے ض۳۸

چاہیے تو یہ تھا کہ مہاشہ دھرمپال اپنی تہذیب کی باقی جلدوں کے دیباچوں میں اس الزام کو اٹھاتا کہ نہ میں اس بدترین طریق کا بانی ہوں۔ نہ سوامی جی اسکی بادی (ابتدا کنندہ) ہیں۔ مگر وہ کیسے کرتا جبکہ واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ بس اس نے یہ تو نہ کیا۔ ہاں کیا تو یہ کیا کہ ہر ایک

۱؎ غلط کہتے ہو۔ اگر ایسے ہوتے تو تمہاری طرح نیوگ کی اجازت دیتے۔ (مصنف) ۲؎ جھوٹے پر ہزار لعنت۔ (مصنف)

جلد کے ساتھ وہی پرانا دیباچہ لگا دیا۔ جو پہلی جلد کے ساتھ لگایا تھا۔ جسمیں وہی پرانا بے سُرا راگ الاپتا ہے کہ علماء اسلام نے مجھے بڑے بڑے الفاظ سے مخاطب کیا جس کے جواب میں ہمیں کہنے کا حق ہے ؎

اُلٹے ہمیں شکوہ کرتے ہو اور کس ادا کے ساتھ
ناطاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

ہم نہیں چاہتے تھے کہ اس جلد کے دیباچہ میں اُن واقعات مذکورہ کا ذکر چھیڑیں۔ مگر ہمارا دوست مسٹر دہرمپال جو ایسا کرتا ہے تو لاچار ہمیں بھی کرنا پڑا۔

دیانندیوں

کے نرسنگے کی غیر موزون آواز نے ہمیں اس طرز تحریر پر مجبور کیا ورنہ علماء اسلام کہاں اور اس مسخرا پن (مندرجہ تہذیب) کا جواب کہاں جبکہ اُن کے ہاں یہ عام اصول ہے ؎

ولقد مررت[لہ] علی اللئیم یسبنی ✦ فمضیت ثم قلت لا یعنینی

مگر آریوں کی بے جا خوشی اور تال بتال نے جو کوؤں کی طرح ... دیکھکر کیا کرتے ہیں مجھے اس کے جواب دینے پر مجبور کیا۔ اب بھی اگر آریہ سماج نے یہ بیہودہ پن چھوڑ دیا تو خیر ورنہ یاد رکھیں ؎

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا دیں۔
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا۔

ابوالوفا ثناء اللہ
ماہ محرم۔ ۱۳۲۴ھ

امرتسر
اپریل ۱۹۰۶ء

لہ میں ایک کمینہ بدلگام کے پاس سے گذرا جو مجھ کو گالیاں دے رہا تھا۔ میں یہ سنکر چپکا چلا گیا اور ظاہر کیا کہ وہ مجھے نہیں کہتا۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ

چونواں اعتراض

ترک اسلام میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہوا چلنے پر تہا کہ اُس کے حکم سے کیونکر چلتی تہی جسکا جواب ترک اسلام میں دیا گیا تہا کہ حکم کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ٹہیک قانون کے مطابق کام کرنے کو بہی حسب الحکم کہا جاتا ہے۔ جیسے ہم تم اپنے اپنے مذہب کے احکام گورنمنٹ کے حکم سے بجا لاتے ہیں یعنی اُس کے قانون کے مطابق نہ کہ اُس نے مسلمانوں کو نماز کا اور آریوں کو سندھیا کرنے کا حکم دے رکہا ہے ایسی واضح مثال پر مہاشہ دہرمپال جی بی اے اعتراض کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"آپ یہ سب کارروائی گورنمنٹ انگریزی کے حکم سے کرتے ہیں۔ اچھا صاحب جب گورنمنٹ انگریزی نہیں تہی تب کس کے حکم سے کرتے تہے؟ حضرت محمد صاحب کے زمانہ میں بہی شاید گورنمنٹ انگریزی کے حکم سے نمازیں پڑہی جاتی تہیں۔ اگر کوئی اور لوگ تہے تو وہ تو ان کو نماز پڑہنے سے روکتے تھے اور خوب دق کرتے تہے۔ یہاں تک کہ انکو شہر بدر بہی کر دیا تہا۔ چاہئے تہا۔ کہ وہ نماز روزہ وغیرہ چہوڑ دیتے مگر ایسا نہیں ہوا کیوں؟ اس لئے کہ وہ بزعم خود اپنے اللہ میاں کا حکم پورا کر رہے تہے۔ نہ کہ گورنمنٹ کا" (تہذیب جلد چہارم صفحہ)

آج معلوم ہوا کہ ہمارا نہایت ہی آسان سوال کیوں مہاشہ جی سے حل نہیں ہو سکا۔ ناظرین بہی آگاہ ہونگے کہ ہم مہاشہ جی سے ہمیشہ پوچہا کرتے ہیں کہ **عقل بڑی یا بہینس**؟ مگر آپ ہمیشہ ٹلاتے رہتے ہیں۔ بہلا جسکی عقل اتنی موٹی ہو وہ بہی ایسا باریک سوال حل کر سکتا ہے؟

پیارے پال! جی تو نہیں چاہتا تہا کہ تمہارے اس سوال کا جواب دوں۔ مگر کیا کروں تمہاری محبت ایسی کچہ ستاتی ہے کہ میں خود حیران ہوں۔ پس **سُنو!**

دنیا میں علت ومعلول کا سلسلہ ہے پہر اس سلسلہ میں ایک تو علت تامہ مستقلہ ہے۔ مگر بعض علل متواردہ ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک فرد علت کا اگر نہو اور دوسرا اُس کے قایم مقام ہو

تو معلول بحال رہتا ہے۔ مثلاً چھت کے لئے ستون علت ہی اُس کے قیام کی۔ لیکن ایسا نہیں کہ صرف اُسی ایک پر مدار کار ہی۔ بلکہ اگر ایک ستون نہو تو دوسرا اُسکا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ لکڑی کا نہو تو لوہے کا۔ لوہے کا نہو تو اینٹ پتھر کا بھی چھت کو کھڑا رکھ سکتا ہی۔ ٹھیک اسی طرح گورنمنٹ کا حکم ہے۔ جب گورنمنٹ انگریزی نہ تھی تب تو خود اسلامی سلطنت ہی کا دور دورہ تھا۔ گو اُس وقت نیوگ وغیرہ زناکاری کے تمام ذرائع بند تھے۔ مگر نماز روزہ وغیرہ بھگتی کے طریقے تو سب کھلے تھے۔ ہاں سب سے پہلے تمہارے بھائی بندبت پرستوں کا غلبہ تھا مگر وہاں اُس علت کی لئے اور ہی قائم مقام تھا۔ یعنی خود جناب رسالت مآب کا قطعی حکم۔

ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ ہوا حضرت سلیمان کا حکم بطریق معجزہ مانتی تھی جسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خدا تعالیٰ سے دعا کرتے تو خدا حسب ضرورت حضرت ممدوح کی ہوا کو چلا دیتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی مَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ پ۱۳ع۱۲ یعنی کسی رسول کی طاقت نہیں کہ اللہ کے اذن بغیر کوئی معجزہ لا سکے اس سیدھے اور صاف مضمون پر مہاشہ جی اعتراض کرتے ہیں کہ :۔

”اگر ہوا بطور معجزہ سلیمان کا حکم مانتی تھی۔ تو بتاؤ اُس کے حکم کو سنتی کیسے تھی یا سلیمانی حکم اس تک کیونکر پہنچایا جاتا تھا۔ کیونکہ جو چیز کسی کے مطلق اختیار میں ہو جبر جب وہ خواہ کوئی حکومت کرسکتا ہو۔ اس چیز کے لئے ضروری ہی کہ وہ اپنے مالک کی مرضی کے بغیر حرکت نہ کری۔ مالک کی مرضی کیسے معلوم ہو؟“ (ملخصاً)

اس کا جواب ہماری تقریر مندرجہ بالا سے حاصل ہو سکتا ہی کہ اصل میں ہوا اللہ کے حکم میں تھی مگر چونکہ حضرت سلیمان کی دعا سے حسب الحکم خداوندی چلتی تھی اس لئے بامرہ کہا گیا کہ وہ سلیمان کے حکم سے چلتی تھی۔ اور ان معنی کی شہادت ہم نے قرآن سے بتلادی ہی۔ پس متکلم کے خلاف منشا معنے کرنیوالو! سوامی دیانند جی سے اپنے حق میں فتویٰ پوچھو۔ (دیباچہ ستیارتھ ص۴)

مہاشہ پال! کہیں یہ سوال بھی تو نہ کروگے کہ خدا کا حکم ہوا کیسے سنتی تھی بیشک اگر یہ کروگے تو ہم تم سے بالکل مایوس ہو جائینگے۔ کہ تم کسی طرح ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ عقل بڑی یا وہ؟

واوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون

پچپنواں اعتراض

شہد کی مکھی کو وحی (الہام) ہونے پر تھا۔ جسکا جواب دیا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی وحی تین قسم پر ہے عام جو عام جانداروں (انسانوں بلکہ مکھیوں) کو بھی ہوتی ہے۔ خاص جو نیک لوگوں کو الہام ہوتے ہیں۔ اخص جو بالخصوص انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ ان تینوں قسموں کو الگ الگ سمجھنا چاہیئے نہ کہ ایک ہی۔ اس صاف اور سیدھی تقریر پر بھاشہ دہرم پال لکھتے ہیں اور کیا ہی میٹھی تقریر کرتے ہیں۔ کہ:۔

"واہ وا! اللہ میاں بھی اچھا دوکاندار ہے۔ ایک ہی وقت میں ایک چیز کے دو بھاؤ۔ بلکہ تین۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ کسی قرآنی آیت میں وحی کی تین قسموں کا بیان کہاں لکھا ہے؟ ہرگز نہیں"

(تہذیب جلد چہارم صفحہ ۱۳)

واہ ری سماجیو! تمہاری صحبت بھی کیا ہی جن بھوت کا سایہ ہے کہ اچھے بھلے پڑھے لکھوں کو پاگل سا بنا دیتی ہے۔ اور وہ سر دھنا لگتے ہی کچھ ادھر ادھر کی بکنے لگتا ہے۔ گو آپنے بہت سی گالیاں دی ہیں بارے شکر ہے کہ ہمارے دعوے پر آیت قرآنی طلب کی ہے۔ جسپر ہماری دعا ہے خدا آپکو اس کی جزائے خیر دے۔ یوں سیدھے ہو کر چلا کرو تو شاباش۔ لو ہمیں سنو!

ثبوت دینے سے پہلے مناسب ہے کہ ان تینوں قسموں کی ذرہ تشریح کر دیجائے

عام وحی یا الہام | اسکو کہتے ہیں کہ انسان بلکہ کسی حیوان کے دل میں کوئی خیال کسی کام کے کرنیکا پیدا ہو۔ طبعی ہو یا ارادی مثلاً انسان کو یکایک ایک بات کی سوچ دل میں آگئی۔ یا حیوانات کو جو صنعت طبعی طور سے خدا کی طرف سے سکھائی گئی ہے (گھونسلا بنانا۔ تیرنا وغیرہ) قرآن شریف کے محاورہ میں ان سب کو وحی اور الہام کہتے ہیں سنو! فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (خدا نے ہر نفس کو نیک و بد کا الہام کر دیا ہے یعنی سمجھ دے رکھی ہے۔ مکھی کا الہام بھی اسی قسم سے ہے۔ غور سے سنو.

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ

ثُمَّ کُلِی مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُکِی سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلاً (النحل)

تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کر دی ہے کہ پہاڑوں درختوں اور لوگوں کی بنائی ہوئی چھتوں پر مکان بنائیو۔ پھر تم ہر قسم کے پھل پھول کھائیو۔ اور اپنے پروردگار کے زیر فرمان رستوں پر چلیو"

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان بلکہ ہر حیوان کے افعال طبیعیہ ہی خدا کی وحی ہی ہوتے ہیں۔ اگر آریہ سماج کے اصول کو بغور دیکھیں تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اونکا اصول ہے (جو بالکل صحیح ہے۔ قرآن شریف اسکا مصدق ہے) کہ تمام علوم کا مخزن خدا تعالیٰ ہے۔ پس انسانوں اور حیوانوں کے افعال طبیعیہ سے جو امور سرزد ہوتے ہیں وہ کس کی تعلیم سے ہیں؟ اسی سچدانند۔ نراکار۔ وحدہٗ۔ لا الہ الا ھو سے۔

خاص وحی کا ثبوت بھی قرآن شریف سے لیجئے۔ ارشاد ہے وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیِّیْنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ (پ ۷ ع ۵) یہ آیت حضرت مسیح کے حواریوں کے حق میں ہے کہ "میں (خدا) نے حواریوں کو وحی یعنی الہام دیا۔ کہ مجھپر اور میرے رسول (مسیح) پر ایمان لاؤ" حضرت مسیح کے حواری اللہ کے نیک بندے تھے ایسے الہامات کو ہم نے دوسرے درجہ پر گنا تھا۔ مگر یہ الہام انبیاء علیہم السلام کے الہام کے برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ کسی حکم کا موجد ہوتا ہے۔ بلکہ محض کسی نیک خیال کا مؤید اور بس۔

اخص وحی اور الہام کا ثبوت بھی لیجئے۔ ارشاد ہے اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ (پ ۶ ع ۳) "اے نبی! ہم (خدا) نے تیری طرف وحی کی ہے جیسی نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرف کی تھی" اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ دو قسم (عام اور خاص) وحیوں اور الہاموں کے تیسری قسم (اخص وحی) جو سب سے اعلیٰ ہے انبیاء کی وحی ہے۔

بیچاری بال! افسوس ہے تمہاری قرآن دانی پر اور حیف ہے آریہ سماج کے تمکو جناب مولوی محمد عبد الغفور صاحب فاضل اجل لکھنؤ پر۔ جنکو قرآن شریف کے ایسے واضح مضامین سے بھی اسی قدر خبر ہے جتنی کہ بڑے گوشت کے بھاؤ سے۔ پھر اسپر یہ شوخی اور یہ جرأت جو آپ لکھتی ہیں کہ:-

"نہیں چور چوری کرتا ہے تو وہ بھی تمہارے اللہ میاں کی وحی سے۔ کتا دوسرے کو کاٹتا ہے تو ضرور اسکے کان میں تمہارا اللہ میاں ہی پھونک مارتا ہوگا۔ گدھے کے کان میں بھی اسی طرح

پھونک مار رکھی ہوگی - شیطان پر بھی اسکا پروانہ نازل ہوتا ہوگا - پس تمہارے کہے مطابق دنیا میں جتنی بدمعاشی اور پاپ ہوتے ہے وہ ضرور اللہ میاں کی وحی سے ہی ہو رہی ہے - لاحول ولا - اللہ میاں نہ ہوا - چانڈو خانہ کا دادا دقہ ہوا - کہ ہر ایک بدمعاشی و عیاشی کے لئے بھی وحی نازل کرتا رہتا ہے - میاں تم ایسے لال بجھکڑ کو چھوڑ دو"

(تہذیب جلد چہارم صفحہ ۱۲-۱۳)

مہاشہ جی! تم ایسے آپے سے باہر کیوں ہوتے جاتے ہو - ایسے گھبرا رہے ہو کہ ضروری چیز بھول ہی گئے - آؤ ہم تمہیں بتلائیں - ہاں **نیوگ** بھی اسی کی وحی سے ہوتا ہے - سمجھے ہو؟ کس طرح؟ اس طرح کہ ایک عورت کو اپنے نامرد خاوند سے تو اولاد نہیں ہوئی - وہ بیچاری آیت کال (مصیبت) میں مبتلا ہے انکو خاوند شرم و حیا کے تیاگنے ہی بحکم وید **بھگوان** اجازت دیدی کہ کسی لائق مہاشہ سے اولاد لے آ - مگر ایسا ملنا کوئی آسان کام نہیں - آخر بعد تلاش ملا تو ایک آریہ جی جنہوں نے کسی آریہ معتقد کی کتاب میں پڑھا تھا کہ جب مہاشہ کے ہاں نطفہ زائد ہو تو اپنے بھائی کو دان کردے - اسپر اس کا دل پسیجا ادہر اس نوجوان پری پیکر کو دیکھا اور باتیں کیں تو بحکم ع

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد + بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اور بھی دل میں کچھ رحم کچھ وہ خواہش پیدا ہوئی تو اس بیچاری کو اس مہاشہ نے سرفراز کردیا - اب بتلاؤ - اس مہاشہ کے دل میں کس نے ڈالا کہ اس آیت کال زدہ پر رحم فرماؤ - اسی نے جس نے وید بھگوان میں یہ حکم دیا تھا یا کسی اور نے؟ جب یہ حال ہے تو تمہارا سوال مذکورہ پوچھنا ع

کہو جی کون دھرم ہے؟

ہم بتلا آئے ہیں اور دیانندیوں کے اصول سے تصدیق کرا آئے ہیں کہ جو کام دنیا میں انسان یا حیوان طبعی یا ارادی طور پر کرتے ہیں - سب کے سب الہام الٰہی سے کرتے ہیں - مگر ایسے الہام کے نہ تو کسی جبرئیل کی ضرورت ہے نہ کان میں کہنے کی حاجت ہے بلکہ انکی طبیعتوں کے نیچرل ڈھانچہ ہی کا نام الہام ہے اور بس -

سماجیو! اتنی سمجھ بوجھ (جو مہاشہ دھرمپال میں ہے) تمہارے لیڈر بننے کو کافی ہے یا اس سے زیادہ کی بھی حاجت ہے - آہ ع

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے + دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

وارسل علیہم طیرا ابابیل ترمیہم بحجارۃ من سجیل فجعلہم کعصف ماکول

چھپنواں^{۵۶} اعتراض

یہ تہا کہ آیت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ابابیل جانوروں سے ہاتھیوں اور انسانوں کا کھلیان کرایا - کہاں ابابیل اور کہاں ہاتھی - اسکا جواب دیا گیا تہا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جانور بھیجے جو خدا کے حکم سے اُنپر پتھراؤ کرتے تھے - جنکی کنکریاں اُنکو بندوق کی گولیوں کیطرح لگتی تھیں اسکا جواب ہماجی دیتے ہیں اور کیا ہی شیریں کلامی سے دیتے ہیں :-

"اللہ میاں نے بہت سے جانور بھیجے جو فوج پر کنکریاں مارتے تھے - ذرا بتا تو دیا ہوتا وہ جانور کس قسم کے تھے ؟ آیا تمہارے بزرگوں کے کہنے کے مطابق سیاہ رنگ کی چڑیاں تھیں یا عقاب ؟ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ یہ جانور ابابیل ہی تھے کیونکہ ابابیل ہمیشہ گروہ کثیر میں اُڑا کرتے ہیں - اسی لئے ان کا یہ نام مشہور ہو گیا ہے - لیکن اگر ابابیل سے مراد یہاں پر جانور معروف سے نہیں ہیں - تب مولویوں کے گلے میں ایک دوسری ستی پڑ جائیگی - اور اُن کو اللہ میاں سے پوچھنا پڑیگا - کہ یہ جانور کیسے تھے - اور ان کا نام کیا تہا - کیونکہ اللہ میاں نے جب فرعونیوں پر عذاب نازل کیا تہا تو اُس نے عذاب دینے والے جانوروں کا نام بھی بتا دیا تہا مثلاً ٹڈی کے لئے الجراد کہدیا - چچڑی کا عذاب بھیجا - تو قمل بتا دیا - مینڈکوں کا عذاب نازل کیا تو ضفادع بتا دیا - حیف ہے ان مولویوں کی عقل پر کہ ان کا اللہ میاں اپنے گھر کی تباہی سنکر اپنے دشمنوں پر ابابیلوں کی جرار فوج روانہ کرے اور مولویوں کو اس فوج کے جانوروں کے نام تک کا بھی پتہ نہ ہو - پھر کہتے ہیں کہ وہ کنکری یوں لگتی تھی جیسے بندوق کی گولی - میاں تم کو بندوق کی گولی کا تجربہ^{لے} نہیں ہے - بندوق کی گولی سے ہاتھی

لے میاں صاحب آپکو ہی جراحی سوبیدار میجر پنشنر ہو کر آئے ہیں - مگر یہ تو بتاؤ ہو کس قوم کے ؟ (مصنف)

پیں نہیں جایا کرتا - بلکہ ایک دو گولیوں کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتا - مگر تمہارا اللہ میاں اور تمہاری اللہ میاں کے چودبدار کہتے ہیں کہ ہاتھی کرم خوردہ بھوسی کی مانند ہو گئے - گویا پارہ پارہ ہو گئے - اور جسکو لگی وہ راہی ملک عدم ہوا - حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے آدمی اور جانور ایسے ہیں کہ جنکے اگر ہاتھ ٹانگ وغیرہ میں گولی لگ جاوے تو وہ بچ جاتے ہیں - لیکن اللہ میاں کے بندوقچی عجب بلا کے سپاہی تھے کہ گولیوں سے سب کو ہلاک کر دیا "

(تغلیب جلد چہارم صفحہ ۲۲ - ۲۳ -)

سماجیو! بڑی خوش ہوئی ہو گے - کہ ہمارے مہاشہ جی نے خوب ... دی ایسی دی کہ جواب بن نہ آیا مگر جب تمہیں معلوم ہوگا - کہ مہاشہ جی سچائی سے اتنے ہی دور ہیں جتنے بڑے گوشت سے تم - تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ آٹا دال کس بہاؤ بکتا ہے - مہاشہ دھرمپال کی ساری عبارت کا جو کتے کی آنت کی طرح لمبی ہے - دو لفظوں میں مطلب ہے (۱) اُن جانوروں کا نام کیوں نہ بتلایا (۲) ہاتھیوں کو تو بندوق کی گولیوں سے بھی کچھ نہیں ہوتا - پھر وہ بھوسی کیطرح کیونکر ہو گئے -

سنو! سوال اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ اس جگہ صرف اس بات سے عبرت دلانا مقصود ہے کہ خدا کے گھر یعنی اسکی عبادت گاہ قدیم پر چڑھکر جانا اور اسکی ہتک کرنے کا خیال کرنا نیک نتیجہ پیدا نہیں کیا کرتا - چنانچہ اصحاب الفیل (ہاتھی والوں) کا ہوا - اس سے اُن جانوروں کا کوئی کمال تبلانا مقصود نہیں تاکہ ہم انکو پنجروں میں بند کر کے پرورش کریں کہ وہ اڑائی کام میں ہمارے کام آویں -

اسکی مثال اگر وید بھگوان سے سننا چاہو تو سنو!

ای آتما کو شدھ (پاک) کرنیوالے پرمیشور! آپ کو ہم بڑے پریم سے پوجتے ہیں آپ ہماری مانگی ہوئی چیزوں کو دینے والے ہو جیئو - (رگ - سوکت - ۱۵ - منتر ۱۰)

تبلائیے! اس منتر میں جو کہا گیا ہے کہ ہماری مانگی ہوئی چیزوں کے دینے والے ہو جیئے وہ کیا چیزیں ہیں جو اس منتر کے متکلم نے مانگی تہیں - یہی کہو گے کہ ان چیزوں کا کیا ذکر جو چیز کسی کو مطلوب ہو یہ منتر پڑھے - بس اسی طرح اُن جانوروں کی تعیین سے کیا مطلب تہا - غرض تو صرف یہ تھی کہ بُرائی کا نتیجہ بُرا ہے -

او ہو ہم تو یونہی ادہر اودہر پھرتے رہے - آؤ ہم تم کو وید ہی سے اسکا جواب تبلائیں سنو!

"دو جانور باہم ملے ہوئے دوست ہیں۔ مثل درخت کے سب طرف سے ساتھ ہیں ان دونوں میں سے ایک تو پھل کو ذائقہ دار سمجھکر کھاتا ہے۔ دوسرا نہ کھاتا ہوا دیکھ رہا ہے"

(رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴ منتر ۲۰)

سماجیو! بتا سکتے ہو۔ یہ جانور کون ہیں اور درخت کیا ہے۔ سوامی جی کی تفسیر سے مدد لیکر بتلاؤ گے تو نیوگ کے بچے کی طرح دوسرے کا ہوگا۔ صرف وید سے بتلاؤ کہ یہ جانور کیا ہیں۔ قرآن شریف کے جانوروں کی بابت تو یہ جواب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اہل عرب میں یہ روایت قومی طور پر زبان زد تھی کہ فلاں بادشاہ جو ہاتھی لیکر کعبہ شریف کے گرانے کے ارادہ پر آیا تھا۔ اسکا یہ انجام ہوا تھا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آپنے قرآن شریف کو نہیں سمجھا۔ سنئے ہم آپ کی خاطر ایک آیت نہیں بلکہ تمام سورت کو نقل کر دیتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ

طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ

اب سنئے! ترجمہ "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا تھا انکی تدبیر ضائع اور اکارت کر دی تھی۔ اور انپر بیشمار گروہ در گروہ جانور بھیجے جو انپر جمی ہوئی مٹی کی کنکریاں مارتے تھے۔ پس انکو کھائی ہوئی خوید کی طرح تباہ کر دیا"

اس ساری سورت میں اصحاب الفیل تو اسم (نون) ہے اور چار انکی ضمیریں (پرونون) ہیں۔ پہلی ضمیر کیدھم میں ہے۔ جو اصحاب الفیل کیطرف ہے۔ دوسری ضمیر علیھم میں ہے وہ بھی اصحاب الفیل کی طرف ہے۔ غرض اسی طرح چاروں ضمیریں اصحاب الفیل کی طرف پھرتی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اصحاب الفیل یعنی وہ لوگ جو ہاتھیوں کو لیکر بیت اللہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ انکی ہلاکت کا اس سورت میں ذکر ہے۔ انہی کے حق میں ارشاد ہے کہ "انکو کھائی ہوئی خوید کیطرح کر دیا" ہاتھیوں کی ہلاکت اسکی تبعاً ہے۔

اب بتلاؤ! تم جو کہتے ہو کہ ہاتھی گولیوں سے پیدا نہیں کرتے۔ آیت قرآنی کے کس لفظ پر کہتے ہو؟ اگر بند دیجی باپ کے بیٹے ہو تو بتلاؤ ورنہ سمجھا جائیگا۔ کہ تم موضع بھنو کے دیہی ہو۔

پیارے پال! میں تمہیں از راہ ہمدردی سمجھاتا ہوں۔ کہ ایسی بے سمجھی کی باتیں نہ کیا کرو۔ ورنہ یاد رکھو ؎

رنگ لائیگا یہ اک دن اپکا رنگ حنا ✦ اے ستمگر پاؤں کو مہندی لگانا چھوڑ دے

ہم نے کہیں لکھا تھا کہ آپ ابابیل کے معنے نہیں سمجھے اسپر آپ بجائے شکریہ کرنے کے بقول "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" اپنی خورد سالی کا ثبوت دیتے ہیں:۔

"ہماری نزدیک ابابیل وہی جانور ہے جسکو تم بھی ابابیل ہی کہتے ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ ابابیل کے معنے گروہ در گروہ کے بھی ہیں۔ لیکن چونکہ ابابیل جانور کبھی بھی اکیلا اڑتا ہوا نہیں دیکھو گے بلکہ یہ گروہ در گروہ اڑا کرتے ہیں اسی لئے اسکا نام ابابیل ہے پنجابی میں تو اسکو جہاں معلوم ہے "بالکتارہ" کہتے ہیں۔ ابابیل کا لفظ عرب کے بدوؤں کے ذریعہ ہندوستان میں آیا ہے اور عربوں نے معلوم نہیں کہاں سے اڑایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے عربوں کو چوری کی عادت بھی ہے۔ تب ہی تو انہوں نے فارس والوں کے الفاظ چرائے ہوئے ہیں۔ کہیں لگام سے لجام بنا لیا۔ کہیں گاؤمیش سے جاموش گھڑ لیا۔ کہیں پل سے فیل بنا ڈالا۔ کہیں سنگ گل کا سجیل تراش لیا۔ اللہ میاں کے ہاتھ یہ مال مسروقہ لگ گیا تو اس نے قرآن میں دھر گھسیٹا۔ پر سچ ہے صحبت کا اثر برا ہوتا ہے" (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۲-۲۲)

آہ! ؎

کچھ جوانی نے ابھی کچھ ہی لڑکپن او نکا
دو جفا کاروں کے قبضے میں ہے جوبن انکا۔

پیارے پال! تم ایسے کیوں بگڑے جاتے ہو۔ یہ الفاظ عربوں نے چرائے نہ تھے بلکہ جوتوں کے زور سے لئے تھے۔ جیسے غزنی میں دو دو روپے پر غلام بکے تھے۔ سمجھے ہو یا کہ رہے؟ ؎

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے

اس سوال کا دوسرا جواب جو ہم نے دیا تھا۔ کہ طیر سے مراد پھرتیلی فوج بھی ہو سکتی ہے۔ اسپر جو آپنے حسب عادت شریف زہر اگلا ہے چونکہ ہمارا اس سے مطلب نہیں اسلئے ہم اس کے جواب کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ آپنے حصے کو ؎

جواب آنچناں باشد خموشی

کا مصداق بناتے ہیں۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيَاهَا فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا

ستانوواں اعتراض

حضرت صالح کی اونٹنی پر تھا۔ مناسب ہے کہ یہاں پر ہم مہاشہ کے "ترک اسلام" کے پورے لفظ نقل کردیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے منکر از خدا لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے ایک خاص اونٹنی پیدا کی" اتنا لکھکر پھر لکھتے ہیں کہ "نادان لوگ تو یہاں تک گپ ہانکتے ہیں کہ وہ اونٹنی ایک پتھر میں سے پیدا ہوئی وغیرہ"

اسکا جواب "ترک" میں دیا گیا تھا کہ پتھر سے نکلنا قرآن شریف میں مذکور نہیں جو کہے اوس سے ثبوت مانگو"

اس کا جواب چاہئے تو یہ تھا کہ آپ یا تو آپ اپنا اعتراض واپس لیتے یا قرآن شریف میں سے ثبوت دیتے۔ مگر آریہ اور راست بازی! اس لئے آپ حسب عادت الٹے بڑھے مگر غنیمت ہے کہ اچھے پڑے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"یہ تو ہم نے بھی نہیں کہا کہ اونٹنی کا پتھر سے نکلنا قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ تمہاری بڑی ہی کہتے ہیں۔ تم بتاؤ۔ اگر وہ پتھر سے نہیں نکلی تھی تو کہاں سے نکلی تھی۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ آپ اسکا کچھ جواب دینگے۔ مگر آپنے کہدیا کہ جو کہے اس سے پوچھو۔ تو بھلا بتاؤ۔ تو اب ہم تمہارے بزرگوں کی قبریں کہاں اکھاڑتے پھریں" (تہذیب۔ جلد چہارم صفحہ ۴۰)

سماجیو! انصاف سے کہنا یہ تقریر مہاشہ جی کی اعتراض کو واپس لینے کے برابر ہے یا نہیں۔ باقی جسقدر آپنے سخت کلامی کی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے"

پیارے پال! تمہاری نازک حالت پر مجھے رحم آتا ہے۔ کہ تمہاری ننھی سی جان پر کیا کیا آفتیں آرہی ہیں۔ آریوں میں تو تم بڑے فاضل اجل جناب لیے اور ویسے مشہور ہوگئے۔ حالانکہ ہو وہی جو کسی سے

مخفی نہیں۔ اسی لئے تو باوجود تسلیم کرنے اس بات کے کہ اونٹنی کا پتھر سے نکلنا قرآن شریف سے ثابت نہیں۔ پھر بھی ڈبٹے پڑتے ہو کہ تم بتاؤ۔ اگر وہ پتھر سے نہیں نکلی تھی تو کہاں سے آئی تھی۔ واہ وا کیا کہنے ہیں آپ کی منطق دانی اور جادو خوانی کے۔ دعویٰ تو خود کریں بلکہ میرے دعوے کو تسلیم کریں۔ پھر **نیوگ** کے اثر سے شرم و حیا کو خیرباد کہکر اپنے دعوے کا ثبوت مجھسے مانگیں۔ جب کچھ نہ ہو تو مفسرین کی بغلوں میں جا گھسیں۔

او پال! تمہیں شرم نہیں آتی کہ اپنے **لیکچر** کا عنوان تو یہ رکھو کہ "قرآن کی تعلیم یہ ہے" پھر ایسے مضمون پر اعتراض کرو۔ جسکو خود ہی تسلیم بھی کر دو کہ قرآن شریف سے ثابت نہیں۔ سچ بتلاؤ تم سے پہلے بھی کسی نے ایسا کیا۔

تو سے قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا + پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا۔

اب سنئے! ہم نے **ترک** میں لکھا تھا کہ "یہ حضرت صالح پیغمبر کو اونٹنی کی نشانی دیگئی تھی لیکن کیونکر دی گئی؟ انکی دعا سے کسی ایسی اونٹنی سے بچہ پیدا ہوا جس سے نہ ہوا تھا یا کوئی اور بات تھی جس سے پیغمبر کی صلاحیت اور نبوت کا ثبوت ہوتا ہو"۔

پس اس تمہاری ساری طول پر فضول تقریر کا یہی جواب کافی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جسکا ثبوت نہیں اسپر نہ تو تمہارا اعتراض بجا ہے نہ ہمارا اس اعتراض کو اٹھانے کی کوشش کرنا ضروری ہے بلکہ یہی کافی ہے۔

آنچہ نہ قال ست و نہ قال الرسول + فضل بود فضل مخوان ای فضول

ثم بعثناکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون

اٹھاونواں اعتراض

کوہ طور پر بنی اسرائیل کے زندہ ہونے پر تھا جسکا جواب ترک میں دیا گیا تھا۔ کہ "یہی تحقیق ہو چکی ہے اور اصل موضوعہ نمبر ۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون قدرت تجربہ کے خلاف بھی ہو تو وہ بھی کسی نہ کسی قانون ہی میں ہوگا۔ پس ایسے خلاف عادت امور جو آپ لوگوں کی نگاہ میں خلاف قانون قدرت معلوم ہوتے ہیں دراصل خلاف نہیں ورنہ ماننا پڑیگا۔ کہ پرلے اور پرلے کے بعد دنیا کی آبادی اور جوان جوان آدمیوں کا پیدا ہونا بھی تو خلاف قانون ہے جو آریہ سماج کا مذہبی بنیادی پتھر ہے" (ترک اسلام صفحہ ...)

اس کے جواب میں مہاشہ جی نے کچھ نہیں پھرمایا صرف اتنا کہا کہ اس اعتراض کے جواب میں مولوی صاحب تو اتنا کہکر چلدیے ہیں کہ یہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے۔ (تہذیب جلد ۲ صفحہ ۵۴)

حالانکہ مہاشہ جی کا فرض تھا کہ اس کو خلاف قانون قدرت ثابت کرتے مگر جبکہ انہوں نے نہیں کیا تو ہم بھی اسی پر کفایت کرتے ہیں کہ ع بس ہو چکی سماج تو ٹیل اٹھائیے -

وانزلنا علیکم المن والسلوٰی کا جواب

انسٹھواں اعتراض ۵۹

بنی اسرائیل کے من اور سلویٰ پر تھا۔ بعض وجوہ سے مناسب ہے کہ اس جگہ بھی ترک اسلام کی پوری عبارت نقل کر دی جائے۔ آپنے لکھا تھا کہ مفسر صاحبان تحریر فرماتے ہیں کہ سلویٰ ایک قسم کی چڑیاں ہوتی تھیں جو گھاس پر آکر بیٹھتیں اور چہچہے کرنے کے بعد خود بخود بھنکر نیچے گر پڑتیں اور نہیں رگ ہوتی نہ خون نہ ہڈی۔

اس کا جواب دیا گیا تھا کہ ملاؤں کے قول پیش کرنا تو آپکی عادت ہے۔ جہاں قرآن شریف پر کوئی اعتراض ہو۔ وہاں مفسرین کے نام کی مالا جپا کرتے ہیں پھر ایسے کہ نام تک نہیں بتلاتے پس ایسے بے سند مفسرین کی جہاں آپکو ملاقات ہو اُن سے پوچھو" اسکا جواب مہاشہ جی دیتے ہیں مگر کیا دیتے ہیں۔ ناظرین بغور سے سنیں ۔

" یا حضور عالی دماغ ہم نے جو کچھ اعتراض ۵۹ میں لکھا ہے وہ من گھڑت عبارت نہیں ہے بلکہ قرآنی آیت انزلنا علیکم المن والسلوٰی (نازل کیا ہمنے تم پر من اور سلویٰ) ہے آگے مفسروں کی رائے پیش کی چنانچہ تفسیر حسینی میں لکھا ہے وہ جو چڑیاں گھاس کی شاخوں پر بیٹھیں اور انواع و اقسام کے نغمے اور چہچہے اُن سے پیدا ہوتے۔ پھر اُن پر ایک ہوا چلتی۔ پر گر جاتے چڑیاں بھنی ہوئی رہ جاتیں۔ ان میں نہ رگ ہوتی نہ خون نہ ہڈی۔ بنی اسرائیل انہیں لیتے اور ترکیبیں بناتے (حسینی صفحہ ۱۲) اب کوئی روشن دماغ مفسر سے پوچھے کہ چڑیاں خود بخود بھنکر کیسے گر پڑا کرتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے رگ ہڈی خون وغیرہ نہیں تھی تو وہ اسے نہ والی

چڑیاں کس طرح ہو گئیں" صفحہ ۱۹

لو صاحب! وہی ہوا کہ پکڑا چور نکلا جلا!۔ ہاں مہاشہ جی چلو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں ان مفسر صاحب سے آپ کا سوال پوچھتے ہیں۔ مگر دیکھنا مفسر صاحب کی تلاش کرتے کرتے کہیں قبر میں نہ گھس جانا کہیں پھر تمہاری ذریت بھی نہ ہو۔

پیارے پال! اگر تم ابھی لڑکے ہو گے آخر کچھ ایسے تو ہو۔ لکھتے ہوئے کچھ اپنی ڈگری کی لاج تو رکھ لیا کرو۔ تفسیر ہم لی تو تفسیر حسینی پھر اس میں عبارت منقول ہے تفسیر کی۔ واہ واہ کیا کہتے ہیں سہ خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ تو اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مہاشہ جی نے ایک کتاب خرید کر دو کا مطالعہ کر لیا کیوں نہ ہو "ایک پیسہ کے دو مزے" مگر افسوس ہے کہ ہم سے آجتک سوائے تمہارے ادن متند تفسیر کے ورق تک نہیں کھول کر دیکھنے کی ضرورت۔

پیارے پال! تمہیں شرم نہیں آتی۔ کہ بابو عبد العزیز صاحب (جگدمبا پرشاد آریہ) نے اپنی اسلام لانے کی وجوہات میں جو ایک کتاب "آریہ سماج کی پول" لکھی تھی اور اس میں بابو صاحب موصوف نے آریہ لیڈروں کے خیالات اور مقالات لکھے تھے انکو جواب میں تم نے اخبار پرکاش مورخہ ۲۲ مئی سنہ ۱۹ء میں لکھا تھا کہ یہ عجیب قسم کا فرنگی محقق پیدا ہوا ہے۔ بار بار شخصی ماؤں یا شخصی جھگڑوں کو پیش کر کے اپنی تحقیقات کا ثبوت دیتا ہے" اب ہم تمہیں ایسی تحقیق کی وجہ سے جو شخصی ماؤں پر مدار کار رکھتے ہو فرنگی محقق کہیں یا کرچین مدقق! جو نام تم خود پسند کرو گے ہم بھی وہی لکھا کرینگے۔ آگے چلکر آپ لکھتے ہیں:-

"اگر ہمارا یہ اعتراض جھوٹا ہے تو مفسر بھی اسکا جواب دیں اور اپنے مفسروں کو جھوٹا ثابت کریں" صفحہ ایضاً

مفسر کو ہمارے سامنے آوینگے تو ان سے بھی پوچھینگے کہ آپ نے غلط لکھا یا یونہی لکھدیا۔ اگر وہ غلط ہونے کا اقرار کرینگے تو آپکو اطلاع دیجائیگی۔ سردست تو فیصلہ یہ ہے کہ تمہارا اعتراض ہی جھوٹا اور تم بھی جھوٹے کیونکہ تم نے اپنے لیکچر کے ہر عنوان پر یہ لکھا ہے کہ "قرآن کی یہ تعلیم ہے" مگر لکھتے ہو تفسیر اور ادھر ادھر کی لے اڑتے ہیں حالانکہ اپنے لئے یہ قانون بتلاتے ہو کہ "اردو ترجمہ کو تو گھر رکھو اگر طاقت ہے تو منتر کو سنسکرت میں پیش کرو" (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۲) لیکن افسوس ہے کہ خود اسپر عمل نہیں کرتے۔

پیارے پال! آؤ تمہیں ایک اخلاقی فقرہ سنائیں۔ غور سے سنو! آنچہ بخود نہ پسندی بدیگراں مپسند۔

اس نمبر میں مہاشہ جی نے بڑی چالاکی سے میرے برخلاف مخالف لڑائی حضرات عزنویہ کی تحریرات

سے خوب مغلظ گالیاں نقل کی ہیں کہ تم ایسے ہو ویسے ہو چنانچہ علماء اسلام تمکو یہ لکھتی ہیں وہ لکھتی ہیں۔ ہاں صاحب سچ ہے ؎

میں ہی جھوٹا میرے دعوے ہی سراسر جھوٹے + تمہیں سچے سہی اس بات کا جھگڑا کیا ہے

میں بھی چاہتا تو تمہارے بزرگ اور مربی لالہ **منشی رام جی** جالندھری کی نسبت ان کے مخالف کے ہیں ہم مذہب آریوں کے الفاظ لکھے ہوئے نقل کر دیتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ایسی حرکت تو کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی مثال ہے۔ پس آئندہ کو ذرہ ہوش سے رہنا۔ سنو! ؎

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو + کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

وظللنا علیکم الغمام وانزلنا علیکم المن والسلوی

ساٹھواں اعتراض

بنی اسرائیل کے بادلوں کے سایہ پر تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اس مضمون میں بھی **نیوگیوں کی طرح** دوسرے کی ہمت سے مالک بنے ہیں آپ نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کو دھوپ سے ستایا تو خدا نے اوپر بادل بھیج دیا۔ بعض لوگ یہانتک گستاخی کہتے ہیں کہ وہ بادل بنی اسرائیل کے ساتھ سروں پر چلا کرتا تھا۔ کیا خوب میں انکو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اسکا جواب دیا گیا تھا کہ بعض لوگوں کے جواب تو بعض سے پوچھو۔ ایسے بعض تمکو ویدمیں ہوتی ہو جا بھی دکھلا دینگے اور کئی ایک نیوگ کی لاگ میں پہنسا دینگے۔ تو کیا قرآن شریف ان سب کا ذمہ دار ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے قمر موسم برسات میں بادلوں کا سایہ کیا کیوں کیا؟ جس مطلب کیلئے ہم نے کیا اور کرتا ہے اور کریگا۔ یعنی موقع بموقع بارشیں کیں۔

اس کے جواب میں مہاشہ جی نے کچھ نہیں کہا۔ ہاں **اربعین** غزنویہ اور **کلام المبین** کے جھگڑوں میں دخل در معقولات دیکر ادھر ادھر کی کچھ کرتے ہوئے اتنا بولے کہ پانی کی ضرورت تو پتھر پر ڈنڈا مارنے سے بھی پوری ہو رہی تھیں۔ بارش کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ (صفحہ ۹۰) اگر بنی اسرائیل پر بارش ہوتی رہتی تو وہ موسیٰ سے پانی کی التجا نہ کرتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ مارے پیاس کے مر رہے تھے اور انہوں نے

پانی مانگا تو پتھر کو کوٹ کر پانی نکالا گیا ؟ (صفحہ ۹)

واہ جہاشہ جی! آپکے کیا کہنے ہیں - پتھر پر ڈنڈا مارکر پانی نکالنے کا کسی کو اختیار دیا گیا تھا - وہ تو خاص وقت میں بطور معجزہ کے بحکم خداوندی واقع ہوا تھا - اُس سے ایک اُمی اصول عامہ اور قاعدہ کلیہ سمجھ لینا آپ جیسے نازک خیالوں ہی کا کام ہے جنکے حق میں بہت زیبا ہے کہ ؎ جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی تم سے سیکھ جا -

سنئے! ہم کئی ایک دفعہ لکھ آئے ہیں کہ معجزہ دکھانے میں نبی اور رسول خود مختار نہیں ہوتے بلکہ یوں کہئے کہ وہ اُس فعل کی نسبت کچھ بھی نہیں ہوتے - خدا خود فرماتا ہے مَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (کسی رسول کی یہ شان اور طاقت نہیں کہ کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے سوا دکھا سکے) ایک ہی کام ایک ہی وقت میں رسولوں سے ظاہر ہوتے ہیں دوسرے وقت میں نہیں ہوسکتے - بلکہ وہ خود اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم ÷ گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

بتلاؤ! جو کام محض خدائی طاقت سے ایک دفعہ بطور معجزہ پیغمبر سے وقوع میں آئے اُسکو عام قاعدہ بنا لینا

کہو جی کون دہرم ہے!

اچھا سمجھو! ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ واقعی بنی اسرائیل پر بادلوں کا صرف سایہ ہی تھا - مگر کیسا تھا - حسب ضرورت جیسا کہ تم بھی مانتے ہو کہ :-

"اب اگر ان کو کوئی ضرورت ہے تو افریقہ اور عرب کی ریگستانی دھوپ سے بچنے کیلئے سایہ کی ضرورت ہے" (صفحہ ۸۹)

پس دہوپ کی شدت سے بچانے کو کبھی کبھی بادلوں کا سایہ ہو گیا ہو جیسا کہ بعض اوقات مئی اور جون کے مہینے میں ہم پر بھی ہو جاتا ہے تو اس پر تمکو اعتراض کیا ہے؟ ہاں اگر کسی مفسر کی ذاتی رائے پر اعتراض ہو - تو خوشی سے کیجئے ہم اُسکو ذمہ دار نہیں بلکہ تمہاری قول مندرجہ اخبار پرکاش مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۰۶ء کے موافق فرنگی محقق تجویز کرینگے (دیکھو صفحہ ۱۹ کتاب ہذا) مگر یہ مت کہو کہ "قرآن کی تعلیم یہ ہے" بلکہ یوں کہئے کہ فلاں مفسر کی یہ رائے ہے - اگر تم ان دونوں مضمونوں میں فرق نہ سمجھو تو تم سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ تم ہمارے اس نہایت ہی مشکل سوال کا جواب دے سکو گے کہ **عقل بڑی یا بھینس**-

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ

اکیسواں اعتراض

بنی اسرائیل پر تھا - جسکا نہ سر نہ پیر کہ کیا کہتے ہیں ۔ بہرحال اسکا جو جواب ہم نے دیا تھا وہ پورا یہاں نقل کرکے مہاشہ جی کی خفگی تبلادینگے -

"اس مسئلہ کی تحقیق تو پہلے ہوچکی ہے کہ جو کام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہوتے ہیں اُنکا ہونا قانون قدرت کے خلاف نہیں بلکہ اُن کے لئے بھی کوئی قانون ہے جسکو نبوت سے ایک مجہول الکیف تعلق ہے - باقی مفسروں کی بات کا وہی جواب جو پہلے دے آئے ہیں کہ پہلے اُنکا نام بتلاؤ - پھر اُنکی سند لاؤ جسکی بناء پر انہوں نے یہ کہا ہے پھر اس کا جواب لو - بیشک حضرت موسےٰ کے معجزے سے مردہ زندہ ہوا - جس کے لئے قانون قدرت اُس وقت زندہ ہونیکا تھا - ہر وقت نہیں" (ترک طبع دوم صفحہ ۱۱۱)

اتنی عبارت کو تو بڑی گوشت کی طرح چھوا بھی نہیں - ہاں اس سے آگے کی تھوڑی سی عبارت موٹے حرفوں میں نقل کرکے بڑی خفگی کا اظہار کیا ہے جو مہاشہ جی ہی کے الفاظ میں ہم لکھتے ہیں -

"مولوی صاحب فرماتے ہیں مو گائے کے ذبح سے آپ گھبرائے نہیں - اللہ نے ذبح کرائی تھی کہ بنی اسرائیل آپکے بھائیوں کی طرح اسکی پرستش اور عبادت میں پھنسے ہوئے تھے - سچ پوچھو تو انگریز بھی اسی لئے گائے کو ذبح کراتے ہیں کہ تمہارے ہندو بھائیوں کی غلط فہمی رفع ہوجاوے پس آریہ سماج کا فرض ہے کہ وہ گائے کے ذبح کرانے میں انگریزوں کا ہاتھ بٹاوے" (ترک)

کیا مذکورہ بالا عبارت میں ہوتے کئی الفاظ کو پڑھکر کوئی ہندو بھی یہ خیال کرسکتا ہے کہ جس شخص کی قلم سے یہ خوفناک کلمات نکلے ہیں - وہ پاگل نہیں ہے؟ کم از کم جس وقت اُس نے یہ الفاظ لکھے ہونگے اُسوقت تو اس کا سر ضرور بدحواسی سے پُر ہوگا - اس شخص نے صرف ہندوؤں کے دل کو دکھانے کی ہی کوشش نہیں کی بلکہ گورنمنٹ پر بھی سخت الزام لگایا ہے - اگر اس شخص کے

خیال کے مطابق انگریز صرف اس لئے کوشش کرتے ہیں کہ ہندوؤں کو سبق سکھایا جاوے تو اس میں مطلق شک نہیں کہ گورنمنٹ نہایت ہی بد اندیش و ناعاقبت اندیش ہے اور وہ دیدہ و دانستہ بیس کروڑ ہندوؤں کے دل دکھا کر انکو بجائے اپنا دوست بنانے کے دشمن بنا رہی ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ گورنمنٹ اس بیوقوف مولوی کے خیال کے مطابق بیف خوری نہیں کرتی۔ بلکہ اسکا سبب کچھ اور ہے۔ مگر اس شخص کا یہ کہنا کہ آریہ سماج کا فرض ہے کہ وہ گائے کو ذبح کرانے میں انگریزوں کا ہاتھ بٹائے۔ ہمارے دل کو اتنا صدمہ پہنچاتا ہے کہ ہم بیان نہیں کرسکتے۔ بنابریں ہم یہ سمجھکر کہ کسی بیوقوف اور پاگل آدمی کی بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے اس سے درگذر کرتے ہیں۔ بھلا جس شخص کی عقل ماری گئی ہو۔ وہ ہماری بات کا جواب کیا دیتا۔ سوال کا جواب تو کچھ بن نہ آیا۔ یونہی بکواس کرکے جی ٹھنڈا کر لیا۔ (افسوس ہے تمہاری حماقت پر" (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۰)

پیارے پال! تم ایسے کیوں بگڑے جاتے ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟ ؎

اُس نازنیں کو دیکھنا جو دست نہ چھیڑنا ٭ گر روٹھ بھی گیا تو منایا نہ جائے گا۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تمہارا یہ سارا غصہ محض ظاہری ہے ورنہ مسلمان زادہ کو تو گائے ذبح ہونے پر دسویں جون میں بھی اتنا رنج اور صدمہ نہیں ہو سکتا۔ جب تم ایسے رنجیدہ ہو تو تم نے کچھ ہی کیا ہوگا۔ اور سمجھا گیا۔ دیکھو تمہاری مخبوط الحواس عقل نے تمکو اتنا بھی سمجھنے کا موقع نہ دیا کہ تم انگریز ولی اور گورنمنٹ ایسی تمیز جس کو حالانکہ سینکڑوں انگریز ہندوستان میں روز آتے جاتے ہیں۔ بلکہ کاہے کو آریہ سماج کے منوگ خانوں میں بھی جاتے دیکھے جاتے ہونگے۔ تو کیا وہ گورنمنٹ ہوتی ہے ؎ پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے!

ہم نے بھی دانستہ یہ لفظ لکھا تھا کہ دیکھیں ہمارا خبطی دوست اسکو کیا سمجھتا ہے۔

سماجیو! تم تو کہا کرتے ہو کہ گوشت کھانے میں جیسی گدھی ویسی گائے۔ پھر آج مہاشہ جی کیوں دھوتی اٹھائے عدالت کو جاتے ہیں۔ انہیں ذرہ تھام تو لو۔ الٹو! لوگ بھی عجب ہیں مہاشہ جی کو دیکھکر کہتے ہیں ؎

اڑ رہا خاک سر پہ جو مستانہ آتا ہے۔

فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیٰت مفصلٰت

۶۲

باسٹھواں اعتراض

بنی اسرائیل کے قصے میں فرعونیوں پر ٹڈی - مینڈک - چچڑی وغیرہ کے آنے پر تھا - جسکا جواب دیا گیا تھا کہ جتنا مضمون قرآن شریف میں ہے وہ تو اصل موضوعہ نمبر ۱ کے دیکھنے ہی سے حل ہو جاتا ہے - اصول موضوعہ نمبر اول کا خلاصہ یہ تھا - کہ دنیا میں ہر ایک کام اپنے اپنے سبب سے ہوتا ہے مگر تاہم سب کے سب خدا تعالیٰ کیطرف منسوب ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ سب کا علت العلل اور موجد ہے - مثلاً جیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ پانی نے کھیتوں کو ہرا بھرا کیا - یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے کھیتوں کو ہرا بھرا کیا - پس اس اصل موضوعہ کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو جو مضمون قرآن شریف میں آیا ہے بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ٹڈی - مکڑی - چچڑی وغیرہ کی پیدائش تو اپنے اپنے اسباب ہی سے ہوئی ہوگی - مگر ان سب اسباب کو خدا کی طرف نسبت کیا گیا کیونکہ خدا سب چیزوں کا موجد اور علت العلل ہے" اس معقول تقریر کا مہاشہ دھرمپال نے کیا جواب دیا؟ وہی جو سماج کے مصنفوں سے امید ہے - بہرحال آپنے پہلے تو حضرات غزنویہ کی سڑی ہوئی اربعین سے چند ایک بھٹیاریوں کی سی گالیاں نقل کی ہیں - پھر اپنا کچھ فرمایا ہے اور بہت خوب فرمایا ہے - لکھتے ہیں کہ

"اصول موضوعہ کا حوالہ دیکر اور ساڑھے تین سطریں لکھ کر جنمیں ڈھائی سطریں محض طعن وتشنیع سے پر ہیں حضور خاموش ہوگئے اصول موضوعہ دیکھا جا چکا ہے آپ نے جواب دیا تو کیا دیا؟ اچھا صاحب تمہاری چپ تو ہماری بھی چپ" (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۱۹)

بہت خوب - ہم بھی آپ ہی کے رضا جو ہیں ؎

یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے
نالہ رکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے

فاخرج لہم عجلا جسدا لہ خوار افلا یرون الا یرجع الیہم قولا

۶۳ تریسٹھواں اعتراض

گو سالہ سامری پر تہا کہ دہات سے بنا ہوا بچھڑا کیونکر بولتا تہا جسکا جواب دیا گیا تہا کہ اُس میں جان نہ تہی لیکن آجکل کی مصنوعی چڑیوں کی طرح آواز دیتا تہا۔ سامری نے کسی خاص صنعت سے اُس میں سوراخ رکھے تھے جنمیں ہوا بھرنے سے آواز آتی تھی اسکا جواب مہاشہ جی دیتے ہیں۔

"بھلا اگر چڑیوں کیطرح دبانے سے آواز نکلتی تہی تو لوگ کیا اتنے اندہے اور جاہل تہے کہ سامری کو دباتے ہوئے نہ دیکھ سکتے۔ اگر واقعی ایسے جاہل اور بیوقوف تہے تو ایسے الّوؤں کی خاطر اللہ میاں نے فرعون کے عقلمند لوگوں کو کیوں ڈبویا" صـ۱۱

کیا ہی معقول بات ہے۔ افسوس! مہاشہ دہرمپال اگر اپنے ویدک دہرمی بہائی ہندوؤں ہی کو دیکھ لیتے۔ تو یہ سوال نہ کرتے کہ خود ہی اپنے ہاتھ سے شیوجی کی مورتی تو کیا اونکا لنگ (عضو مخصوص) بھی بناتے ہیں پھر خود ہی اُس کی پوجا کرتے ہیں اعتبار نہو تو بنارس میں جاکر دیکھ لو۔ کس قدر بے شمار لنگوں کی لائنیں لگی ہی ہیں تو کیا کوئی سیاح انکو دیکھ کر اپنے دور دراز وطن میں جاکر بیان کرے کہ ہندوستان میں ایک ایسی قوم ہے جو ویدک دہرم کے قائل ہیں اونکا خیال ہے کہ دنیا بھر کے تمام علوم و فنون وید سے نکلے ہیں جو اُنکی مذہبی کتاب ہے اُنکا طریق عبادت یہ ہے کہ اپنے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں بلکہ مہادیو کے لنگوں کو پوجتے ہیں۔ تو کیا آپ جیسا گریجوایٹ "نیم حکیم خطرہ جان" اُس سیاح پر اگر یہی اعتراض کرے جو آپنے کیا ہے کہ وہ ایسے اندہے اور جاہل ہیں کہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جن چیزوں کو اپنے ہاتھ سے بنا رہے ہیں اونہی کی کیوں عبادت کررہے ہیں تو کیا اس اعتراض سے ان واقعات کی تکذیب ہو سکیگی؟ واہ کیا اچھی منطق ہے۔ ہاں یہ تو بیشک ثابت ہوگا کہ واقعی ایسا کرنیوالے بیشک عقل سے خالی ہیں۔ اسلئے تو قرآن شریف بھی مشرکوں کو بے عقل کہتا ہے غور سے سنو!

اَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ - مشرک کہتے ہے کہ ہمارے باپ دادا جو کچھ

شرک کے کام کرتے آئے ہیں - اسلئے ہم نہیں چھوڑینگے - اونکو جواب دیا گیا کہ اگرچہ ان کے باپ دادا بے عقل ہوں اور کچھ نہ سمجھتے ہوں تب بھی انہی کے پیچھے چلتے جاؤ گے؟

ہاں اس عبارت میں آپنے فرعونیوں کو جو عقلمند کہا ہے اس سے آپکی عقلمندی کا حال بھی بخوبی معلوم ہو گیا - سنو!

سماجیو! پرمیشور - ایشور - جگدیشور - سچدانند - نراکار - سروشکتیمان کو چھوڑ کر ایک ناپائدار - محتاج - عاجز - قابل موت وفنا انسان کو خدا بنانے والے (جیسے فرعونی تھے جو فرعون کو خدا اور معبود مانتے تھے اور فرعون بے سامان خدائی کا مدعی ان کو کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ (میں تمہارا بڑا رب ہوں) اور حضرت موسیٰ جیسے آستک (خدا کے قائل) کو دھمکاتا تھا کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (پ ۱۹ - ع ۶) (اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں بھیجدونگا)

دیانندلو! اپنے چوتھے اصول کو (جو ہاتھی کے بیرونی دانتوں کی طرح نہائت ہی سفید چمکیلا ہے) یاد کر کے بتلاؤ - کہ ایسا آدمی (جو ایشوری دعویٰ کرے اور اسکے تابعدار جو اسکی اس دعویٰ میں تصدیق کریں) بھی تمہارے نزدیک عقلمند اور دانا ہو سکتے ہیں؟ ہائے افسوس! جنکا گرو - جہاگرو خدا کو چھوڑ کر دوسرے کسی کو معبود بنانے والے کو گدھے کے برابر سمجھے (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۴۶) آج وہ صرف اسلام کے مقابلہ پر ایسے لوگوں کو دانا کہیں تو سچ سمجھو اسلام ہی سے نہیں بلکہ حقانیت سے انکو سخت عداوت ہے اللہ رے اسلام کی عداوت نے انکو کہاں تک پہونچا دیا ہے

اُس نقش پا کے سجدہ نے یاں تک کیا ذلیل + میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل چلا -

میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ قرآن شریف سے ثابت نہیں ہوتا کہ سامری نے جبرئیل کے پاؤں کی مٹی لیکر بچھڑے میں ڈالی تھی ۔ ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ سامری نے کہا تھا کہ میں نے رسول کے پاؤں کی مٹی اس میں ڈالی ہے - ان دونوں فقروں میں جو فرق ہے وہ اہل مذاق پر مخفی نہیں یعنی سامری کا قول تو ہے مگر قرآن نے اسکی تصدیق نہیں کی جیسا کوئی شخص عدالت میں کہے کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے یہ تو شہادت اور جرم کی تصدیق ہے لیکن اگر یوں کہے کہ فلاں شخص کہتا تھا کہ اس نے چوری کی ہے ۔ تو ان دونوں مضمونوں میں بہت بڑا فرق ہے خصوصاً جبکہ وہ درمیانی راوی غلط گو بھی ہو - بدمعاش بھی ہو آوارہ بھی ہو تو صرف اس کے کہنے سے اس واقع کا ثبوت نہ ہو سکیگا - یہ تو ہے علم اور فہم کی بات جسکو سمجھنے کے لئے پاک باطنی درکار ہے اور جو ناپاک باطن والے جاہل ہیں

اونکو (بقول سوامی جی - بہو ملاؤ صفحہ ۱۳۶) سمجھ کہاں - اسلئے مہاشہ دھرمپال اِس کلام پر اعتراض کرتے ہیں - اعتراض کیا ہے سوامی جی کے کلام کی پوری تصدیق ہے - لکھتے ہیں :-

"کیسا بچوں کا سا بہولاپن ہے - قرآن سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ جبرائیل کے پاؤں کی مٹی لی تھی - ہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کے پاؤں سے مٹی لیکر اُس میں ڈالی تھی - اچھا صاحب مارگرایا نہیں - تو گرا ملا سہی - چلو تمہارا کہنا ہی پرچ سہی - بتاؤ وہ رسول کون تھا ؟" (تہذیب ج ۲ صفحہ ۱۳۶)

سماجیو ! دیکھا بہولاپن اسے کہتے ہیں کیوں نہو ؎

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن اونکا ✣ دو جفا کاروں کے قبضے میں ہی جوبن اونکا

پیارے پال ! تمہیں کیا ہوگیا تم تو بی اے ہو تم گریجوایٹ ہو کیا ان دو عبارتوں میں تم فرق نہیں سمجھتے - سنو ! سامری چونکہ ایک مکار - دغا باز فریبی اور مشرک تھا - اسلئے اسکا یہ کہنا کہ میں نے رسول کے پیر کی مٹی اس میں ڈالی ہے - سند نہیں ہوسکتا - جبتک قرآن شریف میں اسکی تصدیق نہو اور میں نے لکھا تھا کہ سامری نے ایسا کہا تھا نہ یہ کہ میں نے اس کی تصدیق کی تھی - افسوس تم اخبار اور حکایت اخبار میں بھی تمیز نہیں کرسکتے - اس سے بڑھکر تعجب کی بات ہے جو تمہاری لیاقت کا اظہار کرتی ہے کہ تم میرے کلام مذکور سے بطور نتیجہ کے مجھے الزام دیتے ہو کہ بہرصورت اتنا تو تم مانتے ہو اور قرآن شریف سے ثابت کرتے ہو کہ رسول کے پاؤں سے مٹی لیکر اس میں ڈالی گئی صفحہ ۱۳۶ بتلاؤ میں نے کب مانا ہے ؟ بس - اسی تمیز اور فہم سلیم پر تمہیں ناز ہے - آہ ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے ✣ دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

پس جب اس کلام کی تصدیق ہی نہیں ہوئی تو پھر تمہارا سوال کرنا کہ وہ رسول کون تھا - بالکل اُسکو مشابہ ہے جو عموماً لوگ تم سے پوچھا کرتے ہیں کہ "عقل بڑی یا بھینس" گو تمہارا یہ سوال سراسر فضول ہو تاہم ہم تمکو اس کا جواب بھی دے دیتے ہیں کہ رسول سے مراد وہی ہے جسکو بنی اسرائیل کے قصے میں ہر ایک موقع پر رسول کہا گیا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام - کیونکہ رسول پر الف لام حرف تعریف (شل آرٹیکل دی THE کے ہی) جسکا مدخول متکلم اور سامع کے ذہن میں معین ہوتا ہے - اور جبرائیل کو اس کلام میں کہیں بھی رسول نہیں کہا گیا بلکہ بنی اسرائیل کے اس سارے قصے میں وہ بھی نہیں کہا گیا - پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ سامری نے اپنے فعل قبیح کی عظمت جتلانے کو یہ ظاہر کیا کہ اس میں حضرت موسیٰ کے پاؤں کی مٹی ہے - اسی لئے حضرت ہارون کے منع کرنے پر

بنی اسرائیل نے کہا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (ہم تو ہمیشہ تک اس بچھڑے کو پوجتے رہینگے جبتک کہ موسیٰ ہمارے پاس واپس آوے) ہم نے تو اپنی مراد اور دعویٰ کا قرآن شریف سے ثبوت دیدیا ہے اب اگر کوئی عالم یا مفسر اسکے غلاف کہے تو اُس سے اُس کے دعویٰ کا ثبوت لیکر ہمیں بھی بتلاؤ۔

یاد رکھو ہم چونکہ آریوں کی طرح منش پوجا (مردم پرستی) جائز نہیں جانتے کہ وید چاہے کچھ کہے۔ مگر سوامی دیا نندا یکطرف اور تمام جہان مع وید ایکطرف ؎

بیچارہ خمر درخستہ راخوں ریختن فرمودہ اند + عالم بمنت یکطرف آن شوخ تنہا یکطرف

اسلئے ہم کسی مصنف کی رائے کے پابند نہیں جبتک دلیل نہو۔ ہاں تم چونکہ فرنگی محقق ہو۔ دیکھو شیخ کتاب ہذا اسلئے تم شخصی عقل پر بھروسہ کرو تو تمہارا اختیار ہے۔

یہ سوال بھی آپ کا عجیب تر ہے کہ:۔

"تمہارے قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ آجکل کی مصنوعی چڑیوں کی طرح دبانے سے اس میں سے آواز نکلتی تھی" (صفحہ ۱۳۳)

بھلا اس بات کا ثبوت قرآن سے اِن لفظوں کے ساتھ بتلانا کہ وہ چڑیوں کی طرح بولتا تھا کیا ضروری ہے جبکہ قرآن شریف اس مضمون کو یوں بیان کرتا ہے کہ:۔

اِتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (پ ۹ ع ۸) یعنی سامری نے حضرت موسیٰ کے پیچھے بنی اسرائیل کے زیورات سے ایک بچھڑا بنا لیا جو محض ایک جسم تھا آواز والا۔ بتلاؤ جو چیز زیور کی بنی ہوگی (زیور کی چیز سونا چاندی) سے بنی ہوگی۔ وہ جاندار کیسے ہوگی۔ اگر اسلامی اعتقاد کے موجب معجزہ کا بہانہ پیش کرو تو معجزہ بھی رسولوں اور نبیوں سے ہوتے ہیں نہ کہ سامری جیسے کذابوں سے جو رسول کی زبانی مورد لعنت ہو

پیارے پال! بس یہی غلطی تھی یا کچھ اور بھی۔

قال یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ

۶۴ چونسٹھواں اعتراض

حضرت ابراہیم کی بیٹے کی قربانی پر تہا جس میں بہت کچھ ادہر ادہر کی باتیں ملا کر قرآن شریف کے ذمہ لگائی تہیں جسکو جواب میں آیت نقل کرکے کہا گیا تہا کہ

"اس آیت میں حضرت ابراہیم کے ایک خواب کا قصہ مذکور ہی کہ اُنہوں نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے دیکھکر اُس کام پر آمادگی ظاہر کی تو خدا نے انکو اس کام سے روک دیا۔ اور فرمایا کہ قربانی کرنی ہو تو ذبیحہ کی کرو۔ رہا یہ سوال کہ خدا نے اُنکو دنبہ دیا تو بہشت ہی سے دیا ہوگا۔ تو اس کا جواب اصول موضوعہ نمبر اوّل سے ملیگا کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب خدا ہی کے پاس سے ہی۔ سُنو قرآن شریف بتلاتا ہی:۔

مَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ

یعنی لوگو! جو کچھ تمہارے پاس ہی۔ وہ سب اللہ ہی کے پاس سے ہی" کہیے اصل بیان قرآنی پر کیا اعتراض؟ اس سے زیادہ جو کچھ اُس سے پوچھیے قرآن کسی کا ذمہ دار نہیں۔" (ترک طبع دوم صـ۱۵۱)

اس کے جواب میں مہاشہ دہرمپال لکھتے ہیں اور بہت ٹھیک لکھتے ہیں کہ:۔

"مولویصاحب نے چنداں خامہ فرسائی نہیں کی۔" (صـ۱۵۲)

مطلب یہ کہ مہاشہ جی نے جواب الجواب میں کچھ نہیں لکھا۔ چلو جی چھٹی شد۔

پیارے پال! دیکھا ہم ہی کیسے تمہارے پیچھے ہیں جہاں تم چلو ہم بہی چلتے ہیں جہاں تم ٹہیرو۔ ہم بہی ٹہیر جاتے ہیں مگر یاد رکھو ان تعودوا نعد (اگر آج سے بعد تم نے کوئی حرکت کی تو بدلہ پاؤگے)

آں چونکہ تم نے اس بحث میں قربانی کی فضیلت میں چند ایک روایات لکھی ہیں اسلئے ہم بہی تمکو ایک روایت فضیلت قربانی کی سناتے ہیں سنو! منوجی مہاراج کیا فرماتے ہیں:۔

"شری برہما جی نے آپ سے آپ قربانی کے واسطے پشو (حیوان) کو پیدا کیا۔ قربانی میں جو قتل ہوتا ہے وہ بدھ نہیں کہلاتا" (منوسمرتی۔ ادھیائے ۵ شلوک ۳۹)

اور سنو!

"ان۔ پشو۔ درخت۔ پرند۔ کچھوا وغیرہ یہ سب قربانی کیواسطے مارے جانے سے اُتم (شریف) ذات کو دوسرے جنم میں پاتے ہیں" (ایضاً شلوک ۴۰)

پیارے کرپال! سچ ہے؟ شعر

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند ✤ لاغر صفتان و زشت خو را نکشند

گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز ✤ مردار بود ہر آنچہ او را نکشند

فقلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراہیم

پینتیسواں اعتراض

حضرت ابراہیم کی آگ پر تھا کہ سرو کیونکر ہو گئی اور اس میں پھول کس طرح کھل پڑے۔ اسکا جواب دیا گیا تھا۔ کہ قرآن شریف میں یہ مضمون نہیں کہ آگ میں پھول کھل پڑے تھے۔ اس کے جواب میں مہاشہ جی نے بڑی دلیری سے اتنا تو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"ہمارا بھی یہ خیال نہیں ہے کہ قرآن میں پھول کھلنے یا چشمے جاری ہونے کا ذکر ہے۔ حضور پوچھینگے کہ پھر ترک اسلام میں ایسا کیوں لکھا ہے؟ ہاں صاحب اسمیں ذراسی غلطی ہو گئی ہے۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ "چاروں طرف پھول کھل پڑے وغیرہ" کے پہلے "کہتے ہیں" نہیں لکھا گیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا ہمنوا اپنے لکچر میں ان الفاظ کو چھوڑ دیا ہے یا کاتب نے غلطی کی یا چھپانے والوں نے بہر صورت یہاں "کہتے ہیں" نہیں لکھا گیا" (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۱)

پیارے کرپال! شاباش یوں سیدھی ناک کی سیدھ چلا کرو تو برخوردار نہ کہلاؤ۔ مگر دیکھو آرین صحبت کا اثر ابھی تک تم میں باقی ہے کہ تم خود مانتے ہو کہ "لوگ کہتے ہیں کہ آگ میں پھول کھل پڑے تھے" مگر پھر بھی فرنگی محقق بنکر تم نے اسکو قرآن کی تعلیم کے ذیل میں بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمکو اصل اور نقل یا حلال اور حرام میں

تمیز نہیں اور یہ ہو بھی کیونکر؟ جو شخص نیوگ جیسی حرامکاری کو حلال جانے اُس سے کیا توقع ہے کہ وہ اصل اور نقل میں تمیز کر سکے۔

اچھا تو جو کہتا ہے اُسے پوچھو۔ "مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت" ہاں اصل مضمون (آگ کے سرد ہونے) پر جو سوالات آپنے کئے ہیں۔ خوب کئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"بتاؤ وہ کیا اسباب تھے۔ جنکے ذریعہ آگ سرد ہو گئی؟ ہم جانتے ہیں کہ آگ پر اگر کافی پانی ڈالدیا جاوے تو بجھ جاتی ہے۔ یا جلتی ہوئی آگ میں تازہ ایندھن نہ ڈالا جاوے۔ تو بھی وہ بالآخر بجھ جاتی ہے یا اگر آکسیجن کو اس تک نہ پہونچنے دیا جاوے تو بھی وہ بجھ جاتی ہے۔ بتاؤ اللہ نے بارش کی تھی۔ یا ایندھن روک دیا تھا۔ یا آکسیجن نہیں پہونچنے دی تھی۔ جس سے وہ آگ سرد ہو گئی؟ کیا آگ اُسوقت سرد ہوئی جبکہ ابراہیم اسمیں پھینکے جا چکے تھے۔ یا پہلے ہی سے سرد تھی؟"

(تہذیب ج ۴ صفحہ ۱۷۷)

مہاشہ جی! یہ سب اسباب تو جسمانی ہیں ان کے علاوہ ایک سلسلہ اسباب روحانی بھی ہے جو جسمانیات پر مؤثر ہے۔ اعتبار نہ ہو تو منوجی کا ارشاد کانوں سے روئی نکالکر سنو! منوجی کیا فرماتے ہیں:-

"اگلے زمانے میں بتش رشی کے چھوٹے بھائی نے انکو عیب لگایا اور بتش رشی نے اپنی صفائی کیواسطے **آگ کو اٹھایا** لیکن تمام دنیا کے نیک و بد جاننے والی اگنی[ع] نے رشی کا ایک بال بھی نہ جلایا (سمرتی۔ ادھیائے ۸ - شلوک ۱۱۶)

پیاری پال! دیکھا نہ رشی ایسے ہوتے ہیں اسلئے تو میں تمہیں کہا کرتا ہوں ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست * سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

لو اور سنو! منوجی آگیا (حکم) دیتے ہیں:-

"یہ قسم اس طریقہ پر کراوے یا تو آگ اٹھوا کر یا پانی میں کھڑا کر کے یا بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھوا کر جسکو آگ نہ جلاوے[ع] یا پانی نہ ڈباوے یا جو جلدی دکھ نہ پاوے اسکو قسم میں پاک جاننا چاہئے"

ع مہاشہ جیو! یہ کیا بات ہے کہ اگنی کو تمام دنیا کے نیک و بد کا جاننے والا کہا جاتا ہے یا ہم کہتے؟ اگنی تمہاری یہ تاویل نہیں سن سکتی کہ اس سے مراد خدا ہے بلکہ یہ وہی اگنی ہے جسکو رشی نے ہاتھ پر اٹھایا تھا۔ کیا خدا کو بھی ہاتھ پر اٹھایا جاتا ہے؟

ع مہاشہ جیو! عمل کرو تو جانیں۔ منہ

(سمرتی - ادھیائے ۸ - شلوک ۱۵ - ۱۱۴)

دیانندیو! کہو تو کیا کہتے ہو - سنتے ہو منوجی کیا اُگیا دیتے ہیں اور کیا پچھلے زمانہ کے رشی کی بھیم خبر بتلاتے ہیں کہ اُسکو آگ نے نہ جلایا - اسی طرح قرآن شریف کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو آگ نے نہیں جلایا کیا عجب کہ ابراہیم ہی کا نام "تپش" رشی ہو جسکا ذکر سمرتی میں آتا ہے - کیا تمہارا خیال ہے کہ منوجی مہاراج نے جھوٹ کہا ہے - واللہ اگر تم منوجی مہاراج کو جھوٹا کہدو تو گو ہمیں یہ رنج تو ہو کہ ایک رشی مہاتما کی تم نے توہین کی - مگر ساتھ ہی اسکی بہت بڑی خوشی یہ ہوگی کہ منوجی کی بے اعتباری سے تمہارے گرو کی ستیارتھ پرکاش جو ادھری بنئے کی بہی کی طرح کئی سو صفحات کی ہو - منوجی کے مضامین نکال دینے سے چند ایک کنگوون جتنے کاغذ باقی رہجائینگے -

پیاری پال! آجتک کسی سماج سے تو ہو نہ سکا تم ہی حوصلہ کرکے ایک اشتہار دیدو کہ چونکہ منوجی غیر معتبر اور جھوٹے ہیں اسلئے ستیارتھ پرکاش میں جو منوجی کے حوالے درج ہیں وہ بھی مستند نہیں - اور سوامی دیانندجی مہاراج نے جو انکو مستند مانا ہے اسلئے وہ خود بھی مستند نہیں - چلو چھٹی ہوئی - جب تم ایسا اشتہار دوگے تو ہم بھی تمکو اُس کے جواب میں ایک شاکر گلے لگائینگے ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی ٭ گو مشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد

خیریت سے آپ آریوں میں بقول "اندھوں میں کانا راجہ" اپنی مولویت کا ثبوت دیتے ہیں: لکھتے ہیں کہ

"تقریباً بارہ برس کی عمر تک اپنے والد مرحوم کے پاس رہے - اس عرصے میں ہم نے قرآن مع ترجمہ و تفاسیر پڑھا - اسکے بعد تقریباً سترہ سال کی عمر تک ہم نے علاوہ سکول کی پڑھائی کے کتب احادیث کا بھی مطالعہ کیا" (تہذیب ج ۴ ص ۱۴۳)

آپکے اس دروغ بے فروغ کی کلی میں کیا کھولوں - خود بخود ظاہر ہے کہ بارہ سال کی عمر کا لڑکا کہاں تک قرآن با ترجمہ پڑھ سکتا ہے - کہاں تک تفسیریں سمجھ سکتا ہے - تاہم میں ناظرین کی مزید آگاہی کے لئے آپکی مختصر لائف (سوانحعمری) آپکے قریبی رشتہ داروں کی شہادت سے لکھتا ہوں - آپکے بھائی صاحب لکھتے ہیں:

"عبدالغفور (دھرم پال جی) نے قرآن شریف بغیر ترجمہ کے والد صاحب سے پڑھا تھا - پہلی دوسری اور تیسری کتاب اُردو کی خاکسار نے پڑھائی تھی - والد مرحوم کا ارادہ عبدالغفور کو قرآن شریف حفظ کرانے کا تھا مگر وہ سر درد سے سخت بیمار ہوگیا - والد صاحب مرحوم سے کوئی تفسیر وغیرہ

نہیں پڑہی اور نہ اُسکو تفسیر پڑہنے کی طاقت تہی۔ صرف اردو کی کتابیں پڑہی تہیں ۔ آپکے بہنوئی جو بجائے والد کے آپکے مربی اور سب امورات (اخراجات تعلیم وغیرہ) کے متحمل رہے جنکو آپ بہولے ہوں تو نام بہی بتلاتا ہوں جناب منشی محمد عزیز الدین صاحب ہیڈ کلرک آف دی کورٹ حال مقیم فیروزپور لکہتے ہیں:۔

"عبد الغفور نے پرائمری ۱۳ سال کی عمر میں۔ مڈل ۱۶ سال کی عمر میں۔ انٹرنس ۱۸ سال کی عمر میں۔ ایف اے ۲۰ سال کی عمر میں۔ بی اے ۲۳ سال کی عمر میں پاس کئے۔ اسکا والد عربی کی صرف نحو نہیں جانتا تہا۔ اس نے عربی کی کوئی کتاب کسی مولوی سے باقاعدہ نہیں پڑہی۔ صرف انٹرنس کلاس میں اس نے عربی کا مضمون لیا تہا۔ اسکا دعوے اپنے والد سے تفاسیر پڑہنے کا جھوٹ ہے"

داتا تو تمہاری بارہ سالہ عمر میں تفسیریں پڑہنے کا دعویٰ سنکر تمہاری لڑکپن کو پاگئے ہونگے۔ کہ جس لڑکے نے ۱۳ سال کی عمر میں پرائمری پاس کیا ہو۔ وہ بارہ سال کی عمر میں قرآن شریف مع ترجمہ اور تفسیر ایک نہیں بلکہ بہت سی تفاسیر کہانتک پڑہ سکتا ہے۔ اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ علاوہ اسکے ہاتہ کنگن کو آرسی کیا۔ اب بہی جو تمہاری لیاقت عربی کی ہے۔ وہ یہی تو ہے کہ ایک فقرہ عربی کا تم نے لکہا جسمیں تین لفظ اور چار غلطیاں (دیکہو تغلیب جلد صفحہ) غرض یہ سب باتیں تمہارے لڑکپن کا نتیجہ ہیں۔ اور کچھ نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت جو لکہا ہے کہ:۔

"ابراہیم نے سفید جھوٹ بولکر لوگوں کو دہوکا دیا۔ مثلاً اسکا یہ کہنا کہ بڑی بت نے چہوٹے بتوں کو توڑا ہے۔ حالانکہ اُس نے خود توڑا تہا۔ دوسرے اسکا یہ بہانا بنانا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ وہ مطلق بیمار نہیں تہا۔ ان جھوٹوں کا حدیث .... میں بہی ذکر آیا ہے۔ اہل اسلام ان باتوں کو معیوب نہیں سمجھتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ ابراہیم نے اللہ میاں کے لئے جھوٹ بولا تہا۔ اسلئے یہ کوئی گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ افسوس اللہ جھوٹ کو پسند کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ لعنت اللہ علی الکذبین۔ پھر اللہ میاں نے ابراہیم کی جھوٹی باتوں کو کیوں نظرانداز کیا؟ ضرور ہے کہ وہ ملعون ہوا ہو"

یہ تمہاری سراسر بلہانہ چال ہے۔ افسوس ہے تم آرین کتابوں کو بھی بڑا گوشت جانکر نہیں چھوتے۔ بہتر ہے کہ پہلے تم کو تمہارے گھر سے خبردار کیا جائے۔ تاکہ تمکو خدا عافیت معلوم ہو۔ سنو! منوجی کیا فرماتے ہیں ؎

جہاں سچ بولنے سے براہمن۔ کشتری۔ ویش۔ شودر قتل ہوتا ہو وہاں جھوٹھ بولنا سچ سے بھی زیادہ اچھا ہے (منوسمرتی ادھیائے ۸۔ شلوک ۱۰۴)

خیر یہ تو تمہارے گھر کی ہوئی تم جانو اور تمہارے رشی جانیں۔ اب ہماری سنو!

حضرت ابراہیم نے جو بڑے بت کی طرف نسبت کیا کہ اس نے بتوں کو توڑا ہے۔ یہ نسبت مجازی ہے۔ جیسے دوسری آیت میں حضرت ابراہیم نے گمراہ کرنے کو بتوں کی طرف نسبت کیا ہے إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ پ۱۳۔ ع۱۸۔ یعنی ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا۔ حالانکہ بت بیچارے خاموش کسی کو کیا گمراہ کر سکتے ہیں پھر حضرت ابراہیم نے کیوں انکی طرف گمراہی کو نسبت کیا۔ اسکی وجہ ہم تم کو تمہارے رشی۔ نہیں نہیں مہرشی سوامی دیانند کے قول میں بتلاتے ہیں پس سنو!

"جہاں معنی میں غیر امکان پایا جاتا ہے وہاں استعارہ ہوتا ہے مثلاً کوئی راست گو عالم کسی سے یہ کہے کہ مچان بولتے ہیں یہاں یہ مراد ہوگی کہ مچان پر بیٹھے ہوئے انسان بولتے ہیں" (دیکھو صفحہ ۱۰)

سماجیو! سمجھے ہو دیانندجی کیا کہتے ہیں! یعنی جو فعل کسی ایسے فاعل کی طرف نسبت ہو جو حقیقتاً اسکا فاعل نہو سکتا ہو۔ ایسا کہ متکلم اور مخاطب دونوں جانتے ہوں۔ اور عرف عام بھی ہو کہ وہ چیز اس فعل کی فاعل نہیں ہو سکتی۔ تو ایسے فعل میں نسبت مجازی مراد ہوگی۔ بتلاؤ حضرت ابراہیم نے جو کہا کہ اس بڑے بت نے انکو توڑا ہے کیا بت بھی بتوں کو توڑ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس معنی یہ ہوئے۔ کہ اس بت کی ظاہری ہیئت اور شکل سے میں نے سخت رنجیدہ ہو کر انکو توڑا ہے۔ سمجھے نہو تو اپنے سوامی جی سے پوچھ لو۔ کہ مچان بولا کرتا ہے یا مچانوں پر بیٹھے انسان بولا کرتے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابراہیم نے جو یہ کہا کہ إِنِّي سَقِيمٌ (میں بیمار ہوں) کیونکر معلوم ہوا کہ بیمار نہ تھے بسا اوقات آدمی کی طبیعت علیل ہوتی ہو اور دوسرے کو اسکا علم نہیں ہوتا۔ خاصکر جالینوس نے جو صحت کی تعریف کی ہے۔ اسکو لحاظ سے تو کوئی بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ جالینوس کہتا ہے کہ صحت یہ ہے

کہ ہر ایک عضو اپنا اپنا کام بخوبی دیتا ہو۔ اس تعریف کے مطابق کون کہہ سکتا ہے کہ میں صحیح ہوں۔ کبھی سر درد ہے تو کبھی پیٹ درد۔ کبھی زکام ہے تو کبھی نزلہ۔ کبھی کھانسی تو کبھی بخار۔ غرض کبھی کچھ کبھی کچھ۔ پس اس لحاظ سے حضرت ابراہیم کی طبیعت علیل تھی۔ ہاں ایسی خفیف علالت تھی کہ عرف عام میں ایسے علیل کو تندرست ہی کہا کرتے ہیں کیونکہ چلنے پھرنے سے مانع نہ تھی۔ اسی لحاظ سے اس واقعہ کو نبوت کی اصطلاح میں جھوٹ سے تعبیر کیا گیا۔ ورنہ دراصل جھوٹ نہ تھا۔

غرض اسی قسم کے واقعات ہیں جو عموماً ریفارمر اور مصلحان قوم کو پیش آیا کرتے ہیں اور وہ انہیں ایسے الفاظ کہکر سمجھایا کرتے ہیں۔ جو باعتبار اپنے اصلی مفہوم کے سچے ہوتے ہیں مگر مخاطب انکو چونکہ ان سے کوئی اور معنے سمجھ لیتے ہیں یا عرف عام میں انکا مطلب اور طرح بھی بولا جاتا ہے تو لوگ جلتے اور کہتے ہیں کہ اس مصلح قوم نے جھوٹ بولا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ جھوٹ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک قسم کی نہایت راست بیانی ہوتی ہے۔ مگر رفع ظلم کے لئے پردہ پوشی کیجاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ جنکی مذہبی کتابوں میں شودر (ایک کمینہ پاجی) کے بچانے کو جھوٹ بولدینا جائز بلکہ سچ سے اچھا لکھا ہو (ملاحظہ ہو منو سمرتی باب ۸۔ فقرہ ۱۰۴) وہ بھی ابراہیم جیسے راست باز۔ دیانتدار۔ مصلح قوم۔ پیغمبر اور رشی کے سچے قول کو ذلیل جھوٹ کہیں!

پیارے پال! تم سے تو یہ توقع نہ تھی۔ آہ سے

رحم کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا　＋　موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

اس نمبر میں ہم نے لکھا تھا کہ سوامی دیانند نے سماج کی گھٹی میں جھوٹ کی ملاوٹ بھردی وہ تمام ذریت میں سرایت کر گئی۔ اسپر ہمارے دوست مہاشہ دہرمپال بہت بگڑے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

یہ آپ کی مذکورہ بالا تحریر صرف لغو اور بیہودہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ سخت ہتک آمیز ہے۔ آریہ سماج کا ایک اصول جھوٹ کو چھوڑنا اور سچی بات کو اختیار کرنا ہے۔ مگر آپ کا یہ لکھنا کہ سماج کی گھٹی میں جھوٹ کی ملاوٹ بھردی ہے اور وہ تمام ذریت میں سرایت کر گئی ہے صریحاً یا کلانہ جھوٹ ہے۔ کیا آپکو قانون کی بھی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ کہ آپ تمام سوسائٹی کو اسطرح بدنام کرتے ہیں؟ ہم آپ کو بار بار آگاہ کرتے ہیں۔ کہ ایسی تحریروں سے پرہیز کیجئے۔ یہ تیسرا موقعہ ہے کہ آپنے آریہ سماج کے لئے لائبلس الفاظ استعمال کئے ہیں۔"

او پال! تم ایسے آپے سے باہر کیوں ہوئے جاتے ہو۔ فدہ اس لائیبلس (دہتنک) کی فریاد باقاعدہ تو کرو۔ پھر دیکھو کہ ہم سماج کو کیا سین دکھلاتے ہیں۔ واللہ سچ جلنے سے
شکایتوں کے کھینچنگے دفتر ادہر تمہارے ادہر ہمارے

دیانندیو! آؤ ہم تمہیں ایک مثال دیکر بتلا دیں کہ سوامی جی مہاراج نے تمہاری گھٹی میں جھوٹ کیسے بھرا ہے۔ سنو! سوامی جی قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔

یہ ایسا ہو کہ کافر لوگ حسد کرکے تمکو ایمان سے منحرف کر دیویں کیونکہ انمیں سے ایمان والوں کے بہت سے دوست ہیں (ستیارتھ صفحہ ۶۸۰)؛

لطیفہ (اندھوں میں کانا راجہ) اپنے جناب فضیلت مآب فاضل اجل مولوی عبدالغفور صاحب بی اے (دہرمپال) کو بھی بلا لو اور قرآن شریف سے اس ترجمہ کا ثبوت دو۔ ورنہ تم پر ت۔ گ جیسی لعنت حرام باقی تمہاری بکواس باتیں فضول ہیں۔ لہذا انکا جواب بھی فضول۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا

چھیاسٹھواں اعتراض

حضرت موسیٰ کی مچھلی پر تھا کہ بھنی ہوئی مچھلی کس طرح زندہ ہو گئی۔ اسکا جواب دیا گیا تھا کہ قرآن شریف پر تمہارا اعتراض ہے اور تم ہمیشہ لکھا کرتے ہو کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے۔ قرآن کی تعلیم وہ ہے مگر قرآن شریف سے تو مچھلی کا بھنا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اسکا جواب آپنے دیا ہے کہ:۔

یہ بظاہر بیشک یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن میں بھنی ہوئی مچھلی کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم تفسیروں وغیرہ کا حوالہ نہ بھی دیں تو بھی قرآن میں سے اسکا ثبوت ملنا مشکل نہیں ہے وہ کیسے؟ سنئے! موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا اٰتِنَا غَدَآءَنَا ہمارا کھانا لا۔ جوان نے جواب دیا اِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ میں مچھلی تو بھول آیا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ نے جو مچھلی اٹھائی تھی۔ اسی میں سے وہ کھاتے بھی تھے۔ کیونکہ اگر وہ اسکو نہ کھاتے ہوتے تو یہ

جواب کیوں دیا گیا کہ میں مچھلی تو بھول آیا ہوں؟ وہ فوراً روٹی یا کوئی اور چیز نکالکر دیدیتا دوسرے عین کھانا مانگنے کے وقت انکو مچھلی کیوں یاد آئی - کیا آنحی دیر چلتے چلتے انکو کہیں بھی دہیان نہ آیا - کہ جس چیز میں مچھلی رکھی ہوئی تھی - وہ خالی ہے؟ اگر مچھلی کا کھانے کے ساتھ کچھ تعلق نہوتا - تو کھانا مانگتے وقت اسکا یاد آنا اور بھول جانے کا ذکر کرنا ممکن نہیں تہا - پس ظاہر ہے کہ وہ مچھلی کھانے کے کام بھی آتی تھی"

بھلے مانس! کہتے ہوئے کچھ شرم حیا سے بھی تو کام لینا چاہیے - شروع میں تم خود ہی کہہ آئے ہو کہ بظاہر بیشک یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں اسکی بھونی ہوئی کا ذکر نہیں - اور خاتمہ پر کہتے ہو کہ ظاہر ہے کہ وہ مچھلی کھانے کے کام بھی آتی تھی - اب ان دونوں ظاہروں کو تم ملاکر بتلادو - کہ متضاد باتیں کرنا کن عقلمندوں کا کام ہے؟

اب ذرہ اپنی دلیل کا جواب بھی سنو! تمہاری اس دلیل سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس اسی قدر جو کسی مچھلی نے کہا تہا کہ "یہ زمین گول ہے کیونکہ چاول سفید ہیں" کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰ نے جب اپنے خادم سے کہا کہ کھانا لاؤ - اُس نے باتوں باتوں میں یہ تذکرہ بھی کردیا - کہ جس مچھلی کو ہم لیکر چلے تھے اُس سے یہ واقعہ پیش آیا - ہم ہر روز اپنے کاروبار کو دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات ہم اپنے کسی خادم کو کہتے ہیں یا ہم کو کوئی شخص کوئی کام کہتا ہے تو اُس کام کے اثنا میں کوئی واقعہ ہمیں یاد آجائے تو ہم اسکا ذکر بھی کردیتے ہیں - ہم نے دیکھا ہے اور غالباً آریہ سماجی ممبران نے بھی تجربہ کیا ہوگا - کہ کوئی وکیل صاحب اپنے خادم سے کہتے ہیں کہ حقہ لاؤ تو وہ حقہ لانے سے پہلے یا لاتے ہوئے کہدیتا ہے کہ حضور فلاں شخص آیا تہا - سلام کہہ گیا -

بتلاؤ اس کلام کا کیا مطلب ہے کیا وہ شخص حقہ تہا - یا وہ حقہ اٹھا کرلے گیا تہا؟ آخر بات کیا تھی - کہ حقہ کے ذکر میں اُس نے فلاں شخص کا نام بھی لے دیا؟ یہی بات ہے کہ اسکو یاد آیا اور خوف کیا کہ میں کہیں بھول نہ جاؤں - اسی طرح یوشع (خادم موسیٰ) کا واقعہ ہو تو کیا حرج ہے؟

سماجیو! دیکھتے ہو تمہارا اچہاشہ قرآن کی ضد میں کیسے ہاتھ پیر مارتا ہے - مگر افسوس کہ کامیابی پھر بھی نہیں -

پیاری پال! یہی تمہاری زبردست دلیل تھی نہ! باقی باتیں ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

ہاں ہم مانتے ہیں کہ بعض روایتوں میں نمکین مچھلی کا لفظ آیا ہے۔ اسی بنا پر بنا کر کے مفسرین نے ایسا لکھا ہے اور حاشیہ افزائی کی ہے۔ مگر تمکو تو شرم چاہئے کہ دعویٰ تو یہ کرو کہ قرآن کی تعلیم ہے مگر جب دکھاؤ تو مفسرین کے اقوال دکھاؤ۔ شیم! شیم!! شیم!!!

اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ

اعتراض
سترھواں اٹھارھواں اور انیسواں

حضرت مسیح کے معجزات (خلق طیور۔ احیاء موتیٰ۔ وغیرہ) پر تھا۔ جسکا مختصر جواب دیا گیا تھا۔

بیت اے کہ آگاہ نئی عالم درویشاں را۔ تو چہ دانی کہ چہ سودائے سرشت ایشاں را۔

بیشک سب کچھ ہوتا تھا۔ مگر خدا کے حکم سے ہوتا تھا۔ اور خدا کے ہر ایک کام کے لئے قانون ہے مگر ظہور ہمیشہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ہر ایک کام کیلئے ایک ایک وقت ہے۔ پس ایسے معجزہ کا ہونا کے لئے کسی روایت سے یا کسی تاریخی شہادت سے ثابت ہونا کافی ہے (ترک صفحہ ۵۲)

اس کے جواب میں مہاشہ جی نے کچھ نہیں لکھا صرف اتنا کہا کہ مولویصاحب نے تو اس معجزے کو صاف طور پر مان لیا ہے کہ بیشک ایسا ہوتا تھا (تہذیب جلد چہارم صفحہ ۱۹۷ - ۲۰۴ - ۲۰۹)

چونکہ آپنے اس مضمون کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اسلئے ہم بھی آپکی خاطر اس مضمون کو یہاں ہی چھوڑتے ہیں۔ بس سے چلو تم ادھر کو جدھر کی ہوا ہے۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ

ستروال اعتراض

حضرت عزیر[1] کی دوبارہ زندگی پر تھا جسکا جواب دیا گیا تھا۔ یعنی اصل موضوعہ نمبر ۲ کا حوالہ دیکر

[1] حضرت عزیر کا نام اسجگہ مذکور نہیں ہے۔

بالا بحال صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ اصول موضوعہ نمبر ۱ کو ملاحظہ کیجئے - اصول موضوعہ نمبر ۱ جو ترکِ اسلام میں لکھا گیا تھا - یہ تھا کہ :-

یہ مخلوق سب کی سب ضرور قانون قدرت سے وابستہ ہے - گو کوئی واقعہ کیسا ہی بعید الفہم ہزار ہا سال نہیں لاکھہا یا کروڑہا بلکہ ارب ہا سالوں بعد بھی کیوں نہو ضرور ہے کہ انکو لئے بھی کوئی نہ کوئی قانون ہوگا - جب کبھی کسی وقوعہ کا علم ہو خواہ دیکھنے سے ہو یا صحیح خبر سے انکو ہم صحیح خبر نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ نہیں گے کہ انکو لئے بھی کوئی قانون ہوگا - مثلاً عام قانون ہے کہ حیوانات کی دو آنکھیں ہوتی ہیں مگر لکھنؤ کے عجائب خانہ میں اسوقت بھی ایک بکری کو بچہ کی شبیہ کا نمونہ موجود ہے جسکی دو آنکھوں کی بجائے ایک ہی آنکھ ہے وہ بھی پیشانی پر مگر یہ کوئی خلاف قانون نہیں بلکہ ہم کہیں گے کہ اسکا بھی کوئی قانون ہے - گو ہمیں اسکی اطلاع نہو (ترک ۲۵)

اس کا جواب چاہئے تو یہ تھا کہ مہاشہ جی اس اصول کی چھان بین کر کے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتے - جو انکے خیال میں غلطی ہوتی اسے صاف کرتے - مگر افسوس کہ مہاشہ جی نے اصول مذکورہ کو تو بڑے گوشت کیطرح برا جانکر چھوا تک نہیں - کہا تو صرف اتنا کہا کہ مولویصاحب نے اس اعتراض کا کچھ جواب نہیں دیا محض اصول موضوعہ ہی بتا کر رہ گئے - (صفحہ ۲۳۸)

چونکہ آپ نے بھی ہمارے جواب میں کچھ نہیں کہا - اسلئے ہم بھی آپکی خاطر خاموش رہتے ہیں ؎

یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے ۔ نالہ رکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے

فصرهن الیک ثم اجعل علی کل جبل منهن جزءا ثم ادعهن یاتینک سعیا

اعتراض نمبر ۱۰

حضرت ابراہیم کے جانوروں پر تھا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ ابراہیم کو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر رکھ - اسکا جواب دیا گیا تھا کہ قرآن شریف سے یہ ثابت نہیں ہوتا جو تم کہتے ہو - اس کے جواب میں مہاشہ جی نے چند ایک اقوال نقل کرنے کے بعد بڑے زور سے لعنت کی کتاب کا حوالہ

دیا ہے۔ آپ لکھتی ہیں:۔

"دیکھئے صراح میں جو نہایت ہی معتبر لغات ہے لکھا ہے۔

صوْر کشر کردن و میل دادن چیزی را در روئے را۔ بجہتے گردانیدن و بریدن و جدا کردن قولہ تعالیٰ فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک وقری بکسر الصاد ویقال صر الی وصر وجھک الی ای اقبل الی وصرتہ ای قطعتہ وفصلتہ۔

صور کہتے ہیں ٹیڑھا کرنے کو اور مروڑنا یا موڑنا کسی چیز کو یا منہ کو اسکو پھیرنے کے تئیں اور کاٹنے اور جدا کرنے کیلئے بقولہ تعالیٰ تو چار جانور پکڑ اور انکو قطع کر یا مروڑ اپنی طرف کسر بالصاد بھی پڑھا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں صر الی تو میری طرف منہ موڑ۔ یا میری طرف آ۔ اور صرتہ کے معنی ہیں میں نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کئے یا کاٹ ڈالا۔

اس میں آخری مثال پر غور کیجئے کیا صاف لکھا ہے"

بہت خوب! چونکہ آپنے خود ہی اس حوالہ پر پورا بھروسہ کیا ہے اچھا ہوا۔ اگر ہم نقل کرتے تو تم حسب عادت لٹھ لیکر ہماری منہ آتے اور اسے بھی بے اعتبار بناتے۔ لیجئے میں آپ ہی کی پیش کردہ کتاب سے آپکی خیانت کا ثبوت دیتا ہوں جس سے آپکی علم عربی تو کیا فارسی سے بھی ناواقفی کا اظہار ہوکر ہمارے مدعا کا ثبوت کافی ہوگا۔

دیانندی دوستو! سنو! کتاب **صراح** کی عبارت جو جہاشہ نے نقل کی ہے ایک تو پوری نہیں کی۔ دوئم اسکو سمجھا بھی نہیں۔ سوئم بڑی ہی افسوس کے قابل بات یہ ہے کہ تمہاری آنکھوں میں مٹی نہیں بلکہ کنکر ڈال گیا۔ اب عقل و ہوش سے ہمارے تینوں دعووں کا ثبوت لو اور مرد میدان ہوکر سامنے آؤ ہم بھی اسی صراح کی عبارت پر فیصلہ کرنا چاہتے ہیں ؎

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ÷ بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جہاشہ جی! سنو! ساری عبارت صراح کی یوں ہے:۔

"صوْر کژ کردن و میل دادن چیزی را و روئے را بجہتے گردانیدن و بریدن و جدا کردن ومنع (ف ض ۲ و ک ۲) قولہ تعالیٰ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْھُنَّ اِلَیْکَ وقری بکسر الصاد ویقال صُرْ اِلَیَّ وصر وجھک الی ای اقبل الی وصرتہ ای قطعتہ وفصلتہ فمن قال ھذا جعل

فی الآیۃ تقدیما وتاخیرا کانہ قال فخذ الیک اربعۃ من الطیر فصرھن۔ (صفحہ ۷۰ کالم اول)

اس عبارت میں جتنو حصہ تھے پر ہم نے خط دیا ہے اتنی عبارت دہرم پال دہرم کی رکشا (حفاظت) کرنے کو چھوڑ گیا۔ اب سنو ساری عبارت کا ترجمہ مع مطلب اور تشریح کے یہ ہے۔

صَوْر مصدر (صَوْرٌ) کے پانچ معنے آتے ہیں۔ ۱ تیڑھا کرنا۔ ۲ کسی چیز کو جھکانا۔ ۳ کسی طرف منہ پھیرنا ۴ کاٹنا ۵ جدا کرنا۔ (یہ بتا کر مصنف انکو استعمال کا طریقہ بتلاتا ہے جس عبارت کو آپ چھوڑ گئے کیونکہ آپ اسکو یا تو سمجھے نہیں یا دانستہ بددیانتی کی ہے) اسکا استعمال دو طرح آتا ہے۔ باب نصر ینصر سے یعنی صار یصور اور ضرب یضرب سے یعنی صار یصیر۔ پھر مصنف بطور استشہاد کے آیت قرآنی کو نقل کرتا ہے۔ کہ اس آیت میں بھی صُرْ امر کا صیغہ آیا ہے پھر انکو استعمال کا ایک جنرل رُول (عام قاعدہ) بتلاتا ہے جو حقیقت میں میرا اور آپکا فیصلہ کن ہے۔ کہتا ہے۔ کہ صُرْ کے ساتھ جب اِلیٰ آتا ہے تو اس کے معنے مائل کرنے اور توجہ دلانے کے ہوتے ہیں جیسے صُرْ اِلیَّ وجھک میری طرف اپنا منہ پھیر اور جب بغیر الیٰ کے آئے تو اسوقت اسکو معنے کاٹنے کے ہوتے ہیں جیسے صُرْتہ۔ میں نے اسکو کاٹ دیا۔ (چونکہ آیت میں صُرْ کا لفظ الیٰ کے ساتھ آیا ہے دیکھو فصرھن الیک اسلئے اسکا ترجمہ وہی صحیح ہوگا جو میں نے جناب شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی مرحوم سے نقل کیا ہے یعنی "ہلا انکو"۔ مگر باایں ہمہ بعض مفسروں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جانور قطع کئے گئے تھے چنانچہ تم بھی غرض کے لئے ایسے ہی مفسروں کے پس خوردہ خور ہو حالانکہ آیت کا استعمال الیٰ کے ساتھ صاف بتلاتا ہے۔ کہ اسمیں صُرْ کے معنے اِمالہ کے ہیں نہ کاٹنے کے۔ اسلئے مصنف نے اُن مفسروں کی طرف سے یہ عذر کیا ہے کہ) جو لوگ آیت میں جانوروں کے قتل کے قائل ہوئے ہیں انہوں نے آیت میں تقدیم تاخیر مانی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل میں یوں ہے فخذ الیک یعنی الیٰ کے لفظ کو صُرْ سے ہٹا کر خذ کے ساتھ ملاتے ہیں اور صُرْ کو بغیر الیٰ کے چھوڑتے ہیں تاکہ قطع کے معنے کرنے میں جو چیز (یعنی الیٰ) مانع ہے وہ اٹھ جائے۔"

اب ہم پوچھتے ہیں کہ مصنف نے قاعدہ جو بیان کیا ہے ہمیں انکی پابندی ہے یا کسی ایسے شخص کی جو قاعدہ مقررہ کے خلاف کہے؟ (ہرگز نہیں) پس جو لوگ آیت موصوفہ میں ایسے تکلفات کرتے ہیں کہ جس لفظ کو خدا نے پیچھے رکھا ہے انکو بلاوجہ اور بغیر ضرورت کے آگے لاتے ہیں مصنف صراح تو گویا انکا رد کیا ہے کہ بلاوجہ کیوں خلاف قاعدہ کرتے ہیں بس سچ پوچھو تو ایسے لوگوں کا رد خدا تعالیٰ

تعالیٰ نے یہی کیا ہے۔ جہاں ارشاد ہے:۔

اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ (پ ع)

کیا تم اللہ کو ایسی باتیں بتلانا چاہتے ہو۔ جو اُس کے علم میں نہیں؟"

یہاں پر ہمیں نہ مسلمانوں سے یہی روئے سخن ہے جنکے فیصلہ بہت ہی آسان ہے۔

میرے مسلمان دوستو! بتلاؤ تمہارا ایمان ہے یا نہیں کہ قرآن شریف اعلیٰ درجہ کی فصیح بلیغ کتاب ہے۔ پھر یہ کیا فصاحت ہے کہ جس جملہ (حرف جر الیٰ) کا تعلق (بقول آپ لوگوں کے پہلے کلام (دخلتُ) سے ہوا۔ اُسکو پیچھے (ضمَّ) سے جا ملانا؟ کیا فصیح کلاموں میں اسکی کوئی نظیر دکھلا سکتے ہو؟ اللہ اکبر! خدا تو فرماتا ہے:۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۔ ع)

اے نبی! تو انکو کہہ اس قرآن کو اُس اللہ پاک نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے مخفی بھید جانتا ہے"

پھر بتلاؤ۔ ایسے مخفی بھید جاننے والے علام الغیوب کے کلام میں کسی کا کیا حق ہے کہ پیچھے کے لفظ کو آگے بتلاوے۔ اور آگے کے لفظ کو پیچھے سے ملائے۔ ہاں ایسا کرنے کے لئے زبان عربی کا اگر کوئی قاعدہ اُنکو مجبور کرے تو معیوب نہیں۔ مگر اُس قاعدہ کا وجود عنقا سے زیادہ کمیاب ہے۔

دیانندیو! سنو! ہم تمہیں ایک لطیفہ سنائیں۔ کہ مہاشہ جی خود تو یہ کہتے ہیں کہ:۔

"سوامی دیانند کی تفسیر کے سوا کوئی تفسیر ہمارے نزدیک معتبر نہیں صفحہ ۲۳۹"

مگر ہمیں جب قائل کرتے ہیں تو ادہر ادہر کی باتوں سے کرنا چاہتے ہیں۔ سنو! ہم بھی تم کو کھلے لفظوں میں کہے دیتے ہیں کہ۔

"ہم بھی قرآن شریف کے اُن معانی کے پابند ہیں جو عربی لٹریچر (علم ادب) کے قواعد کے ساتھ صحیح ہونگے" اس کے سوا ہم کسی مصنف کی رائے کے ذمہ دار نہیں بس یہ سن رکھو اور چلو۔

سماجی دوستو! آؤ میں تمکو مہاشہ دہرمپال کی گھبراہٹ بتاؤں۔ میں نے کہا تھا کہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی نے اس آیت (ضُرِّعَتْ) کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اسپر مہاشہ دہرمپال بڑے بگڑے ہیں۔

ایسے کو اد نہیں معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں غور سے **سنو!** لکھتے ہیں:-

"کہیں عبد القادر کو پکڑتے ہیں۔ کہیں معالم التنزیل والے کو۔ میاں آپ ضرور احمق ہونگے نہیں نہیں۔ آپ تو بڑے عقلمند ہیں۔ ذرا اپنی ہی عقل سے کام لیجئے۔ دوسروں کے کندھوں پر کیوں چڑھنے لگے ہیں۔ بیچارے عبد القادر کا کیا قصور۔ اس نے آپ کی طرح اسلامی دوستوں کو پرانی تفسیروں میں دیکھ کر غلطی سے اسکا ترجمہ "ہلانے" کا کر لیا۔ ورنہ انکا اپنا خیال ہی ہے جو تمام مفسرین اسلام کا ہے" (صـ۲۵۷)

دیکھو تو کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے تفسیروں کا حوالہ دیتا ہوں تو بے عقل بتاتا ہے پھر خود ہی بے عقلی کرتا ہے کہ ادہر تو لکھتا ہے کہ عبد القادر کا کیا قصور اُسنے پرانی تفسیروں میں دیکھکر ہلانے کا ترجمہ کر دیا۔ ادہر آپ ہی لکھتا ہے کہ اُنکا اپنا خیال تو وہی ہے جو تمام مفسرین کا ہے۔ ذرہ اس چالاکی یا بے باکی کو دیکھو کہ خود ہی مانتا ہے کہ پرانی تفسیروں میں یہ ترجمہ ملتا ہے پھر خود ہی تمام مفسرین کی رائے کو اپنے ساتھ ملاتا ہے۔ **بھلے مانس!** جب پرانی تفسیروں میں یہ ترجمہ ملتا ہے تو پھر تمام مفسرین کون ہیں جنکی مخالفت سے تم ہمکو ڈراتے ہو۔ یا خود ڈرتے ہو؟

گو اس تقریر اور **صریح** کی عبارت پیش کردہ کی تشریح کے بعد اب کچھ حاجت نہیں رہی کہ اس آیت کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ تاہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کا جواب دیتا ہوں۔ کیونکہ بعض مسلمان بھی آیت موصوفہ کے متعلق یہی وجوہات پیش کیا کرتے ہیں۔ آپ کے وجوہات نمبروار مع جوابات حسب ذیل ہیں:-

"(۱) اول تو اس تاویل سے آپکے تمام بزرگ عالموں کی تفسیریں غلط ہوتی ہیں اور بڑے احمق ٹھیرتے ہیں" (صـ۲۵۹)

جیسے آپ کے تمام رشی منی سوامی دیانند جی سے پہلے کے سب کے سب (بقول آپ کے) جھوٹے ہیں۔ کیونکہ آپ لکھتے ہیں کہ:-

"سوامی سوامی دیانند کی تفسیر کے اور کوئی تفسیر ہماری نزدیک معتبر نہیں" (جلد چہارم صـ۲۳۹)

نتیجہ یہ نکلا کہ سوامی جی سے پہلے جتنے لوگ وید بھگوان کی تفسیریں وغیرہ کر گئے ہیں سب کے سب (بقول تمہارے) احمق تھے۔

سماجی دوستو! تم بھی مہاشہ جی سے اس دعوے میں متفق ہو؟ نہیں تو اسکا گلا دبا ڈبو دیا کہنا

ہو تو پھر یاد رکھو کہ سوامی جی بھی معتبر نہیں رہینگے۔ بلکہ خطرہ ہے کہ وہ بھی ایسے ڈبل ڈبل القاب کے نیچے نہ آجائیں کیونکہ وہ اپنی تمام تصنیفات میں اپنے سے سابقہ مصنفوں کی سند پیش کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ تو صاف لکھتے ہیں:۔

"کوئی نئی بات بلا حوالے اپنی طرف سے نہیں لکھی جاتی (دیکھو بھومکا کنالی طبع اول ۹۶)"

پس بتاؤ کہ تمہارے سوامی جی کی تفسیر کیا اور سوامی جی کیا ہوئے؟

پیارے پال! مصنفوں کا آپس میں اختلاف رائے جو ہوتا ہے اس میں کسی فریق کی نسبت جھوٹ یا بے عقلی کے الفاظ لکھنے سے آدمی خود بے عقل بنتا ہے۔ نہیں تو بتاؤ تمہارے آریہ سماجیوں میں بھی ہیں جو لوگ مہا پرشاد (گوشت) کھاتے ہیں۔ اور ویدوں سے اسکا ثبوت دینے کے مدعی ہیں۔ اور تم لوگ گھاس پارٹی والے انکا رد کرتے ہو۔ تم دونوں میں کون جھوٹا اور کون احمق ہے؟ اپنے گریبان میں منہ نہ ڈالنا اپنے گھر کو نہ دیکھنا کہو جی کون دھرم ہے؟

نمبر دوم میں آپ لکھتے ہیں:۔

"(۲) دوسرے ابراہیم نے یہ سوال کیا تھا۔ کہ اے اللہ مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کریگا اسمیں لفظ اَرِنِیْ پر غور کیجئے اس کے معنے دکھانے کے ہیں نہ کہ اَعْلِمْنِیْ بتانے کے۔ اگر حضرت ابراہیم کا مطلب محض سمجھنے سے ہوتا۔ تو وہ رب اعلمنی کہتا۔ یعنی اے اللہ تو مجھے بتا۔ مگر وہ آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ جیسے کہ موسیٰ نے کہا تھا رَبِّ اَرِنِیْ یعنی اے اللہ تو مجھکو اپنی شکل دکھا۔ اللہ نے کہا تھا۔ لَنْ تَرَانِیْ تو مجھے نہیں دیکھ سکیگا۔ چاہیے تھا کہ اللہ میاں ابراہیم کو بھی ایسا ہی کہتا۔ مگر نہیں وہاں انکا اطمینان کیا گیا" (ص ۲۵۹)

سچ ہے ؎ چو در بستہ باشد چہ داند کسے ٭ کہ جوہر فروش ست یا پیلہ ور۔

اگر تم اتنا بھی سمجھتے تو تمہاری عربی دانی اور قرآن خوانی کا پردہ فاش کس طرح ہوتا۔ آؤ ہم تمہیں اَرِنِیْ کے معنے قرآن شریف ہی سے بتلاویں۔ سنو! حضرت ابراہیم ہی کے الفاظ میں اَرِنَا مَنَاسِکَنَا۔ کہو اس کے کیا معنے ہیں؟ میں ہی بتلاؤں اسکے معنے ہیں اے پروردگار ہمکو ہماری عبادت کے طریق سمجھا۔ اسی طرح آیت زیر بحث میں اَرِنِیْ کے معنے سمجھیے کہ اے خدا مجھکو مردوں کے زندہ کرنے کی کیفیت سمجھا۔ چنانچہ سمجھائی گئی۔ علاوہ اسکے اَرِنِیْ ہو یا اَعْلِمْنِیْ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس سوال کا جواب انکو ملا کیا۔ بس وہ

جواب ہوگا۔ وہی عمل واقع ہوگا۔ ورنہ تمہاری پیش کردہ مثال میں حضرت موسیٰ نے تو اَرِنی کہا تھا جسکا ترجمہ تم خود ہی کرتے ہو "اللہ تو مجھکو اپنے تئیں دکھا" تو کیا پھر خدا نے اپنے تئیں حضرت موسیٰ کو دکھایا تھا!! کسی اور طرح سے سمجھایا تھا! بھولتے ہو تو میں ہی بتادوں سنو! فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔ (جب خدا نے پہاڑ پر روشنی ڈالی تو اسکو پارہ پارہ کردیا) بتاؤ اس جواب میں حضرت موسیٰ نے اپنی مراد ہوبہو پائی ہے یا کسی اور طریق سے انکو سمجھایا گیا؟ پس اسی طرح حضرت ابراہیم کی مثال ہے کہ سوال تو بیشک یہی ہے مگر سوال کے الفاظ سے تو استدلال نہیں۔ استدلال تو جواب سے ہے۔ جیسا مفصل ذکر اوپر آچکا ہے کہ گرامر اور لغات عربی سے آپکے دعوے کی تردید ہوتی ہے۔

نمبر سوم میں آپ لکھتے ہیں:۔

"(۳) تیسری آیت مذکورہ میں یہ سوال ہے کہ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کہ تو مُردوں کو کیسا زندہ کریگا۔ نہ یہ کہ کیف تدع الحی کہ تو زندوں کو کیسے اپنے پاس بلائیگا؟ زندوں کو بلانا کچھ مشکل نہیں ہے سوال تو مُردوں کو زندہ کرنیکا تھا۔ حیات وممات پر غور کیجئے۔ اگر آپکے کہنے کے مطابق اللہ میاں نے محض ابراہیم کو سمجھا ہی دیا۔ تو یہ ہرگز انکی لئے تسلی بخش نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ یہ سوال دیگرہ جواب دیگر کا سا معاملہ ہے۔ ابراہیم ایسا بیوقوف نہیں تھا کہ اللہ میاں سے اس قسم کا جواب پاکر مطمئن ہوجاتا۔" (صفحہ ۲۵۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے ذکی اور ذہین تھے کہ ذرہ سے اشارہ ہونے پر فوراً مدعا کو پاگئے۔ اس قسم کی مثالیں عموماً متلاشیان حق کو پیش آیا کرتی ہیں اگر ایسی مثالوں سے ہدایت یاب ہونا بے وقوفی ہے تو آریہ سماج کے رشی مہرشی۔ سوامی دیانند جی کو کیا کہوگے جو چوہے کو ٹھاکر جی کا حلوہ کھاتے دیکھکر بت پرستی سے متنفر ہوگئے۔ سماجیو! کہو جی کون دھرم ہے؟

بھلا اگر اس کلام کا یہی مطلب ہوتا جو تم کہتے ہو تو حضرت ابراہیم کو جانور لینے کا حکم کیوں دیا یہی فرمادیا ہوتا کہ کسی مردہ کے سرہانے جا کر اس کو بلانا پھر دیکھنا وہ زندہ ہوکر تم سے باتیں کریگا۔ جس سے تمہارا معجزہ اور طرح سے بھی ثابت ہوگا کہ وہ خود تمہارا گواہ ہوجائیگا۔ تم سے اندیشہ ہے کہ تم کہدوگے۔ یہی اللہ میاں کی غلطی ہے مگر اس مسئلہ میں تمہاری ہمخیال مسلمان یہ نہیں کہہ سکتے اور ان جوابات میں ہمارا زیادہ روئے سخن انہیں کیطرف ہے۔ گو مخاطب تم ہو۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں ÷ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں۔

نمبر چہارم میں آپ لکھتے ہیں:۔

"یہ چوتھی۔ آیت کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم مُردوں کے زندہ ہونے کا تو پہلے ہی قائل تھا۔ مگر وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ مُردہ زندہ کیسے ہوتا ہے۔ اگر اسکو محض قائل کرنے کیلئے اللہ میاں نے آپ والا بیان سنا دیا۔ تو اسمیں خوبی کونسی؟ یہ تو وہ پہلے ہی سے مان رہا تھا۔ جانوروں کی مثال دینی فضول تھی۔ جبکہ ابراہیم جانتا تھا کہ اسکا بیٹا اسکو حکم پر دوڑا آتا ہے یہانتک کہ اسکے حکم پر سر کٹوانے کے لئے بھی طیار ہو گیا تھا" (صفحہ ۲٦)

بھلا اگر یہی مطلب ہوتا جو تم کہتے ہو۔ تو کیا شک ہے کہ حضرت ابراہیم نے مُردہ انسانوں کے زندہ ہونے کی کیفیت پوچھی تھی۔ جنکے اُٹھنے پر حضرت ابراہیم کو ایمان تھا۔ تو پھر یہ کیوں کیا کہ جانوروں کو مارنے کا حکم دیا۔ اس سے تو سہل یہ تھا اور مناسب بھی تھا کہ کسی قبرستان میں چلے جاتے یا اگر اُن دنوں آریوں کا رواج تھا کہ مُردوں کو جلاتے تھے دفن نہ کرتے تھے۔ تو کسی نئے مُردے کے سر پر جا کر یہی برتاؤ کیا جاتا تو سوال کے مناسب بلکہ انسب ہوتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ محض ایک تمثیل سے حضرت ابراہیم کو سمجھایا گیا۔ چنانچہ جواب کے الفاظ یہی کہہ رہے ہیں۔

آپ لکھتے ہیں اس میں کیا خوبی ہے؟ اس میں خوبی نہیں تو چوہے کے ٹھاکر جی کا حلوا اُٹھا لینے میں کیا خوبی ہے۔ جو سوامی جی کو ہدایت کر گیا۔ ہاں یاد آیا پچھلی جون کا دوستانہ ہوگا۔ بیٹے کے سر کٹوانے کو تو یہاں کوئی تعلق نہیں۔ علاوہ اسکے اسکا بھی کچھ ثبوت دے سکتے ہو؟ کہ حضرت ابراہیم کا یہ واقعہ پہلے ہے یا بیٹے کا قصہ پہلے ہے۔ دکھاؤ تو انعام پاؤ۔

نمبر پنجم میں آپ لکھتے ہیں:۔

"یہ پانچویں۔ اگر محض جانوروں کا سدھانا اور انکو بتلانا ہی اس آیت کا مقصود ہے۔ تو پھر ابراہیم تو بڑا ہی بیوقوف ہوگا جس نے اس بات کو سمجھنے کے لئے اللہ میاں سے سوال کیا ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں چڑیمار جانوروں کو سدھائے ہوئے ہیں۔ باز۔ شکرے۔ جرہ۔ عقاب۔ بہری وغیرہ جانور پالے ہوئے ہیں۔ جو اُن کے اشارہ پر چلتے ہیں۔ سرکس والوں نے تو پھر ابراہیم کو سمجھا ماتر ہی کر دیا۔ ابراہیم نے تو چار جانور سدھائے تھے۔ مگر یہ حضرات شیر تیز

شیر - ہاتھی - گھوڑے - چیتے وغیرہ کو ایسا لیتے ہیں کہ بالمرہ شاید - مگر ہمیں امید نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی بھی پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہو" (صفحہ ۲۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بڑے ذکی تھے بیوقوف تو وہ ہیں جو انکا مطلب نہ سمجھیں۔

او ظالم! ایک واقع ہمیشہ ہوتا ہے مگر جب اُس سے کوئی نتیجہ پیدا کرنا منظور ہو اور اُسی کی طرف توجہ دلائی جائے تو وہی واقع قابل ذکر ہو جاتا ہے۔ دیکھو تو دہقان اور کھیت کی مثال جو ہر ایک کو معلوم ہے کہ دہقان اپنے ہی کھیت میں بیج ڈالا کرتا ہے نہ کہ غیر میں۔ اب یہ ایک ایسی بات ہے کہ ہر ایک فرد بشر کو معلوم ہے۔ مگر جب سوامی دیانند جی کو ضرورت ہوئی کہ لوگوں کو زنا کاری سے بند کریں تو اسی مثال کو پیش کر کے لکھتے ہیں۔ کہ :-

"جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا ایسا دستور ہے تو جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی جسم کے درخت کے بیج کو بُری کھیت میں کھوتا ہے وہ بھاری بیوقوف کہلاتا ہے" (ستیارتھ صفحہ ۱۵۱)

ٹھیک اسی طرح یہ مثال ہے گو سب لوگ جانوروں کو سدھا لیتے ہیں مگر اس سدھانے سے وہ اس نتیجہ پر نہیں پہونچتے جس پر خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو پہونچایا کہ :-

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

"یقیناً جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے" اس نتیجہ پر پہونچانا مقصود تھا۔ مضمون تو گو صاف ہے۔ مگر بقول سوامی جی ناپاک باطن والے جاہلوں کو علم کہاں" (دیپو کا صفحہ ۵)

نمبر ششم میں آپ لکھتے ہیں :-

"جنٹو - آپ کے کہنے کے مطابق ابراہیم کے سدھانے سے جانور اُس کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے کیا اسی طرح اللہ میاں لوگوں کو زندہ کریگا - واہ کیا عمدہ فلاسفی ہے - عمدہ نہیں بلکہ زندہ فلاسفی ہے - ہم ایک کتے کو سدھاتے ہیں وہ ہمارے پیچھے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے - مگر ہم یہ کیسے مان لیں کہ چونکہ کتے کو سدھا ڈالا گیا - وہ ہمارے مطیع ہو گیا - اسی طرح اللہ میاں مُردوں کو زندہ کریگا؟ ہاں اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جیسے ابراہیم کے سکھانے سے جانور اس کے ساتھ مانوس ہو گئے - یا اسکو پہچاننے لگ گئے - اسی طرح اگر انسانوں کو اللہ میاں کے بارے میں کچھ سکھایا جاوے - یا علم الٰہی کی تعلیم انکو دیجاوے تو وہ بھی اللہ کو جان سکتے ہیں - اور دیگر اطراف سے

منہ موڑ کر اللہ میاں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ مگر مُردوں کے زندہ ہونے کا مسئلہ اِس سے حل نہیں ہو سکتا۔" (صفحہ ۲۶)

پیاری پال! تو آشنائے حقیقت نۂ خطا اینجاست۔

کیا کسی بات میں آپ کو شیر سے تشبیہ دیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپکی سُرین پر دُم بھی ہے؟ ذرہ اپنے سوامی جی سے بھی تو پوچھیو کہ کیا جس طرح دہقان اپنے کھیت میں پہلے ہل چلاتا ہے پھر بیج ڈالتا ہے۔ پھر پانی دیتا ہے پھر کہیں جاکر اُسکا کھیت ہرا بھرا ہوتا ہے۔ تو انسانی بیج کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ہوتا ہے!

سماجیو! افسوس ہے اسلام سے تم لوگوں کو کیا تنگ نفرت ہے۔ ایک تمثیلی کلام کو بھی سمجھنے کی قابلیت تم لوگوں میں نہیں ہے۔ کہنے کو تو تم کہا کرتے ہو کہ ویدوں میں الکار تشبیہات بہت ہیں مگر قرآن شریف پر ایسے دانت پیستے ہو کہ صاف مضمون کو سمجھ نہیں سکتے۔ بات تو صرف یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو سمجھایا کہ جس طرح یہ جانور باوجود وحشی پرندہ ہونے کے تمہارے زیر فرمان ہیں اسی طرح سمجھو کہ تمام دنیا خدا کے **حکم** کے زیر فرمان ہے۔ جس وقت وہ انکو بلائیگا۔ زندہ ہوجائینگے۔

نمبر ہفتم میں آپ لکھتے ہیں:-

یہ ساتویں۔ آپکا یہ کہنا کہ تمام مخلوق اللہ کے ساتھ بذاتہ مانوس ہے۔ انکو حکم کی کیونکر نہ تعمیل کرینگے۔ صریحاً غلط ہے۔ مانوس کیا لاکھوں انسان ایسے ملیں گے جو جانتے تک نہیں کہ اللہ میاں بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ کروڑوں ایسے ملیں گے جو بُت پرستی سے اُنس رکھتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہونگے جو اللہ میاں سے ہی منکر ہیں۔ پھر اُنس کس بلا کا نام ہے؟ اگر اُنس کے معنی محبت یا جان پہچان کے کرو۔ تو وہ ان لوگوں میں ندارد۔ اگر آپکے پاس کوئی اور معنی گھڑے ہوں۔ تو بتا دیجئے۔ پھر حکم کی تعمیل کرنا اور کرانا دونوں میں فرق ہے۔ ایک شخص تعمیل کرنا نہیں چاہتا۔ مگر حاکم زبردستی ہی جبراً کروا لیتا ہے۔ محکوم خواہ مرد خواہ جیو۔ آدمیوں کا زندہ ہونا انکی اپنی مرضی پر منحصر نہیں ہے۔ وہ اگر نہ بھی چاہیں تو بھی انکو ایشوریہ قانون کے مطابق جنم لینا پڑیگا۔ لوگ زندہ ہونگے یا جنم دھارن کرینگے تو اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی مرضی یا خوشی سے سدھائے ہوئے جانوروں کی طرح ایسا کرینگے۔ نہیں انکو زبردستی یہ حکم

ماننا پڑیگا۔ ورنہ اگر مرنا جینا ہمارے اختیار میں ہو۔ تو ہم شاید کبھی بھی نہ مریں۔ یا اگر اس جنم میں تکالیف ہوں۔ تو دوبارہ پیدا ہونے کا نام ہی نہ لیں۔ پرماتما پڑا حکم دیتا ہے۔ آپ کی اس دلیل سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مردوں کو زندہ کرنیکی فلاسفی ابراہیم کو اللہ میاں نے کیا بتائی؟ کچھ بھی نہیں۔ سوال کا جواب اس صورت میں ٹھیک بیٹھتا ہے۔ جبکہ ابراہیم کو عملی طور پر تجربہ کرکے بتا دیا گیا۔ مانیں۔ ورنہ نہیں۔ پس یہ عملی تجربہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے جس سے آپ خواہ مخواہ منکر ہو رہے ہیں۔ [illegible]

اس نمبر کا مطلب تو تم خود ہی سمجھتے ہوگے۔ کیا نبی متعلق ہے۔ سنو! خدا کے ساتھ مانوس ہونے کے معنے قرآن شریف خود بتلاتا ہے۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ یعنی مشرکوں۔ بت پرستوں۔ خدا سے منکروں۔ تثلیث کے ماننے والوں۔ خدا کے ساتھ کروڑوں کو وصف قدامت میں شریک ماننے والوں کو بھی جب کبھی تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً خدا ہی کی طرف جھکتے ہیں۔ ایک معنے مانوس ہونے کے اور بھی ہیں یعنی تمام مخلوق خدا کی معلول ہے گو نہ ویسی جیسی آریہ سماج مانتی ہے کہ ادہر ادہر کے ذرے لیکر جوڑ جاڑ کر مفت کے مالک بن بیٹھے نہیں بلکہ بموجب تعلیم قرآن شریف خدا کا نام اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ ہے یعنی عدم سے وجود میں لانیوالا اسکے علاوہ وہ القیوم تھامنے والا بھی ہے۔ پس تمام مخلوق اپنے وجود اور بقا میں اسی کی محتاج ہے جیسی کہ دھوپ کی روشنی سورج کی محتاج ہے۔ پس جس وقت وہ چاہے موجود کرے جس وقت وہ چاہے فنا کر دے۔ سچ ہے سہ

دست سلطان ہرچہ خواہد آں کند ◆ عالمے را در دمے ویراں کند

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ آدمیوں کا زندہ ہونا ہمیشہ انکے اختیار میں نہیں۔ مگر یہ تمہاری تقریر ہمارے کسی طرح مخالف نہیں بلکہ موید ہے۔ اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ تمہیں اسلام کی مخالفت نے اس حد تک پہونچا دیا ہے کہ تم نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہو۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے قصے میں جو الفاظ ہیں وہ تو صریح ہمارے معنے کی تائید کرتے ہیں اور جو انکے سوا کوئی اور اور باتیں آپ یا آپ کے ہمخیال کوئی مسلمان کہتا ہے اسکا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں۔

افسوس! بعض مسلمان بھائی اپنی بے سمجھی یا کسی عناد سے جب اس آیت کی یہ تقریر سنتے ہیں تو مشہور کرتے ہیں کہ فلاں شخص معجزات سے منکر ہے۔ حالانکہ کسی آیت کی تفسیر در توجیہ کرنا

اور بات ہے اور معجزات سے انکار اور بات۔ ناظرین اسی کتاب میں گذشتہ نمبروں کو دیکھیں۔ کہ کہاں تک میں معجزات کا قائل ہوں۔

فقلنا لہم کونوا قردۃ خاسئین فجعلناہا نکالا لما بین یدیہا

بہترواں اعتراض

بنی اسرائیل کے بندر بننے پر تھا۔ جسکا جواب دیا گیا تھا کہ بیشک بندر بنائے گئے تھے۔ اگر آپ کو قانون قدرت کے خلاف کا ڈر ہو تو اصول موضوعہ نمبر ۲ کو دیکھو۔ اصول موضوعہ نمبر ۲ مندرجہ تحریک کے الفاظ یہ تھے۔

مخلوق سب کی سب ضرور قانون قدرت سے وابستہ ہے گو کوئی واقعہ کیسا ہی بعید المدت ہزارہا سال نہیں لاکھہا یا کروڑ بلکہ ارب ہا سالوں بعد بھی کیوں نہو ضرور ہے۔ کہ اسکے لئے بھی کوئی نہ کوئی قانون ہوگا۔ جب کبھی کسی وقوعہ کا علم ہو خواہ دیکھنے سے ہو یا صحیح خبر سے اسکو ہم خلاف قانون نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ کہیں گے کہ اسکے لئے بھی کوئی قانون ہوگا۔ مثلاً عام قانون ہے۔ حیوانات کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ مگر لکھنؤ کے عجائب خانہ میں اسوقت بھی ایک بکری کے بچہ کی شبیہ کا نمونہ موجود ہے جس کی دو آنکھوں کے بجائے صرف ایک ہی آنکھ ہے وہ بھی پیشانی پر۔ مگر یہ کوئی خلاف قانون نہیں بلکہ ہم یہی کہیں گے کہ اس کا بھی کوئی قانون ہے گو ہمیں اسکی اطلاع نہو۔

مطلب اس سے یہ تھا کہ چونکہ قرآن شریف میں ایک ایسے واقع کو پیش کیا گیا ہے جو یہودیوں میں بطور تواتر نی روایات سے چلا آتا تھا۔ اسوقت انہوں نے اسکی تکذیب نہ کی تو معلوم ہوا کہ یہ واقع ضرور اسی طرح ہوا ہے۔ جب ایسا ہوا ہے تو ضرور اسکے لئے بھی کوئی قانون قدرت ہوگا۔ کیونکہ کوئی کام بغیر قانون قدرت کے نہیں ہوتا۔ چاہئے تو یہ تھا اور امید بھی یہی تھی کہ جناب دہرمپال جی جی اس جواب اور اس اصول موضوعہ کو کسی طرح غلط یا بے تعلق ثابت کرینگے۔ مگر افسوس کہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ:-

”آپ کا اصول موضوعہ دیکھ لیا۔ بس رہنے دیجئے۔ آپ نے میرے تمام اعتراضوں پر۔

اصول موضوعہ ہی کیوں نہ جڑ دیا - خواہ مخواہ بعض مقاموں پر مفسروں کے پاؤں پر گری - کہیں من گھڑت تاویلات کیں - مگر پھر بھی ہاتھ لگا صفر" (صفحہ ۱۷۲)

واہ! کیا کہنے ہیں - ہاں صاحب میں بھی آپکی طرح ہوتا - تو ہر ایک موقع پر بے وجہ بھی جواب پیش کرتا جیسے آپ ہر ایک جگہ موقع بے موقع گوشت خوری کو پیش کر دیا کرتے ہیں - نہیں معلوم کھانے کو جی بھی للکتا ہے - بندہ خدا! داناؤں کا کام ہے کہ جہاں جس چیز کا تعلق ہوتا ہے - وہاں پیش کیا کرتے ہیں ایک ہی بات کو ہر جگہ پیش کرنیوالے اس طوطا رام کے مشابہ ہوتے ہیں - جسکو صرف ایک ہی لفظ یعنی تھا "دریں چہ شک" طوطا جی کا مالک بیچنے کیو اسطے بازار میں لے گیا - خریدار نے مول پوچھا مالک نے کہا سو دینہ خریدار نے تکرار کی مالکنے کہا طوطا جی سے پوچھ لو - طوطا جی کو تو ایک لفظ "دریں چہ شک" یاد تھا - فارسی کی قدر تھی - خریدار نے بہت پسند کیا - مگر جب مکان پر لے گیا - اگر پوچھے طوطا رام جی کچھ کھاؤ گے؟ جواب "دریں چہ شک" طوطا رام جی پیسہ کہاں گیا؟ جواب "دریں چہ شک" غرض جو بات ہو اسکا جواب اسی "دریں چہ شک" سے ادا کیا جائے - سو یہی حال ہمارے مہاشہ جی کا ہے کہ ہر ایک جگہ گوشت خوری ہی کو پیش کیا کرتے ہیں - اور چاہتے ہیں کہ ہم بھی ایسا ہی کریں گے مگر افسوس کہ ہم طوطا رام جی کی ریس نہیں کر سکتے -

اس طرفہ پر طرہ یہ کہ ایک صاحب نے انکے جواب میں ایک اشتہار دیا تھا جسکو ترک اسلام میں بھی نقل کیا گیا تھا - کہ اگر آپ کو اس میں شک ہے کہ آدمی سے بندر کس طرح بن سکتے ہیں تو آؤ میرے ساتھ ایک مکان میں چالیس روز تک بے آب و دانہ بند ہو - پھر دیکھو کسکا منہ خنزیر کا ہوتا ہے - جسکا منہ خنزیر کا ہو جائے اسکا مذہب غلط ہے -

اسکا جواب جو چاہئے تھا وہ تو ظاہر ہے کہ مہاشہ جی اس امتحان کو بھی پاس کرتے مگر افسوس کہ مہاشہ کو اس اسلامی اعلان کا ایسا رعب چھایا کہ آپنے اف تک نہ کی اور لکھا تو کیا لکھا - آپنے یہ دیکھا

اگر تمہاری رائے میں آدمی کا بیٹھے بٹھائے اللہ میاں سؤر یا بندر بنا دیتا ہے وہ سؤر کو آدمی بھی بنا سکتا ہوگا - تم اسکا عملی ثبوت دو اگر منظور کرو تو تمہیں اور تمہارے ساتھ ایک موٹے تازے سؤر کو بند کر کے تالا لگا دیا جاوے - چالیس دن یا کچھ دنوں کے بعد کھولکر دیکھا جاوے - اگر تم سؤر بن گئے یا سؤر آدمی بن گیا - تو ہم اپنا اعتراض واپس لے لینگے اور

فوراً تسلیم کرینگے کہ قرآنی کہانی سچ ہے " (صلہ ۲)

تیلیے آدمی اگر یہ انقلاب (کہ آدمی سے سؤر بنجائے) محال ہے پھر تو تمہیں اور بھی دلیر ہونا چاہئے تھا کیونکہ بندر یا سؤر بننے کا خطرہ ہی نہیں۔ پھر تم نے جو مقابلہ کی صورت بتلائی ہے کیسی نامعقول ہے۔ افسوس کہ ایسے جوابوں پر بھی آریہ سماجی لٹو ہوئے جاتے ہیں۔ اور مہاشہ جی کو ایسے ہی جوابات پر فاضل اجل جناب مولوی محمد عبد الغفور صاحب کھبا کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ جس مسلمان مشتہر نے مہاشہ جی کو چیلنج دیا تھا۔ اسکا یہ بھی تو مذہب ہے کہ خدا ہر ایک کو بندر سؤر نہیں بنایا کرتا۔ بلکہ انہی کو بناتا ہے۔ جو بوجہ بدکاری کے اس قابل ہوں کہ انکو بندر بنایا جاوے نہ کہ ہر ایک کو۔

سماجیو! بھلا ایسی سمجھ کے مالک سے توقع ہو کہ ہمارے اس سوال کا جواب دیگا۔ کہ بوعقل **بڑی یا بھینس**"

واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون

تہتروال اعتراض

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی پیمائش پر تھا۔ جسکا جواب دیا گیا تھا کہ تم نے قرآن نہ پڑھا نہ سمجھا پھر اپنے دعوے کو قرآن شریف سے ثابت کیا تھا۔ اسکے جواب میں مہاشہ جی کچھ نہیں بولے "نور الدین" سے تو بہت خفا ہوئے مگر ترک سے ایسے دبے جیسے شیر سے گیدڑ۔

پیاری بال! یہ خاموشی تو تمہاری عادت نہ تھی۔ آج کیا ہوا؟! اچھا جاؤ۔ ہم نے بھی تمہیں معاف کیا کیونکہ ؎

بیخودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ

چوہترواں اعتراض

حضرت مسیح کی بے باپ پیدائش پر تہا۔ جسکا جواب دیا گیا تہا۔ کہ مرد کی منی عاقدہ ہوتی ہے اور عورت کی منعقدہ۔ ممکن ہے حضرت مریم کی ..... میں دونوں خاصیتیں ہوں اسلئے بقاعدہ طبیہ بھی یہ بات کوئی ایسی محال نہیں معلوم ہوتی۔ اسکا جواب مہاشہ جی نے دیا کہ :-

"میاں! یہیں خاص اثر پر ہی تو ساری بحث ہے۔ تمہارے اطبا یہ مانتے ہیں کہ ایک ..... مثل آٹا کے اور دوسری مثل پانی کے ہے تو ظاہر ہے کہ آٹا علیحدہ ہے اور پانی علیحدہ۔ آٹا پانی نہیں ہو سکتا۔ اور پانی آٹا نہیں ہو سکتا۔ ہاں ان دونوں کے ملاپ سے ایک اور مرکب پیدا ہو سکتا ہے۔ پس جبتک کہ آٹے میں پانی نہ ڈالا جاوے۔ تب تک وہ مرکب نہیں بن سکتا۔ مگر پانی آٹے کے اپنے اندر قدرتاً موجود نہیں ہوتا۔ وہ باہر سے ڈالا جاتا ہے" (صفحہ ۳۰)

حالانکہ ہم نے جو کہا تہا وہ ایک خاص صورت کا ذکر تہا۔ اور آپ جو کہتے ہیں وہ ایک عام قاعدہ کا مذکور ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بسا اوقات عام قانون سے مستثنیات بھی ہوا کرتے ہیں۔ جو وہ بھی کسی نہ کسی قانون سے وابستہ ہوتی ہیں۔ ہاں اُن مستثنیات کا ثبوت قطعی ہونا چاہئے۔ پس ہم جو مسیح کو بے باپ کہتے ہیں تو اسلئے کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں اُس کے بے باپ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ عیسائی اور یہودی دونوں قومیں اُس کے حقیقی باپ سے منکر ہیں۔ اصل میں تو یہ سوال بھی معجزہ یعنی سپر نیچرل کی ایک شاخ ہے جسکی تحقیق پہلے کئی ایک دفعہ ہو چکی ہے کہ خدا ان سب سپر نیچرل پر قادر ہے۔ ہاں تمہارا یہ خیال کہ مسیح نیوگ سے پیدا ہوا ہوگا۔ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب ہیں۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارة من طین

پچھترواں اعتراض

حضرت لوط کی بستیوں کے اُلٹنے پر تھا۔ جسکا جواب دیا گیا تھا۔ جسکو مہاشہ جی نے خود ہی نقل کیا ہے۔ بس وہی پہلے لکھکر پھر آپ کے اعتراضات کی پڑتال کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں:-

"مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ غور سے دیکھیں آیت میں کیا لفظ ہے جعلنا عالیها سافلها جسکی ترکیب یہ ہے کہ عالیها مفعول اوّل ہے اور سافلها مفعول ثانی۔ پس صاف مضمون یہ ہے کہ اس بستی کی اوپر کی جانب کو نیچے سے ملا دیا۔ یعنی اسکی چھتیں گرادیں"

اس کے جواب میں چاہئیے تو یہ تھا کہ بقول "اندھوں میں کانا راجہ" آریوں کا فاضل اجل جناب مولوی محمد عبدالغفور صاحب بی اے دھرمپال اس عربی ترکیب کو باقاعدہ رد کرتا۔ مگر کرتا کیسے خاک سمجھا ہی نہ ہو سمجھا ہو تو چونکہ ترکیب مذکورہ دو دونے چار کیطرح اپنے اندر صحت رکھتی ہے اسلئے منہ بند کرکے چپکے لیے گذر گیا جیسے کوئی مہاتما تمیز بوجہ طبخانہ کے پاس سے آنکھیں بند کر کے گذر جاتا ہے۔ لیکن چونکہ سماج کے ٹھیکہ دار ہیں۔ آخر کچھ کہنا تو ہوا۔ اسلئے آپ فرماتے ہیں:-

"اچھا ہم فرض کر لیتے ہیں کہ آپ کی من گھڑت اور غلط تاویل صحیح ہے لیکن یہ بتاؤ۔

(۱) کیا جب انکی چھتیں گری تھیں تو وہ سردی کا موسم تھا؟ اگر سردی کا تھا تو کیا وہ سب رات کیوقت اندر سو رہے تھے؟ یا کوئی باہر بھی تھا؟ اسکا ثبوت کسی قرآنی آیت سے دکھلاؤ" (ص ۱۳۱)

واہ! کیا اعتراض ہے۔ بھلا اگر ہم کہدیں کہ سردی کا موسم تھا۔ تو کیا کہو گے قرآن شریف سے ثبوت چاہو۔ تو سنو: قرآن میں انکی دو سزائیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک بستی کا انقلاب۔ دوسرا پتھراؤ۔ اگر بستی بقول آپکے معترضین کے تہ و بالا ہو گئی ہوتی تو پتھراؤ سے انکو کیا نقصان ہوتا۔ یا وہی بات ہے مرے کو مارے شاہ مدار۔ اسلئے صاف بات ہے کہ جو لوگ چھتوں کے نیچے تھے وہ چھتوں کے نیچے دبکر مرے اور جو میدانوں میں

کاروبار کرتے تھے وہ پتھراؤ سے مرے۔ یہی مضمون تُرک میں پہلے بھی لکھا گیا ہے۔ کہو کیا اعتراض ؟ آگے چلو۔

(۲) اگر گرمی کے موسم میں چھتیں گری ہونگی تو وہ کیسے نیچے دبے ہونگے ؟ گرمی میں تو لوگ چھتوں کے اوپر یا صحن میں سویا کرتے ہیں نہ گھروں کے اندر کواڑ بند کرکے" (صفحہ ۳۱)

کیا مزے کی بات ہے بھلا اگر بارش کیوجہ سے گرم موسم میں اندر گھسے ہوں تو کیا اعتراض ؟ آگے چلیے۔

(۳) کیا اس قوم کے تمام مکانات پکے یا مضبوط چھت والے تھے ؟ اسکا ثبوت کسی قرآنی آیت سے دکھاؤ" (صفحہ ۳۱)

کچے تھوں یا پکے تم نے یا ہم نے کوئی خریدنا تو نہیں کہ اتنی پڑتال کریں البتہ اتنا قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بستی تھی۔ اب اگر تمہیں عقل ہو تو سمجھ لو کہ بستی کسے کہتے ہیں۔ آگے چلو۔

(۴) اگر تمام پکے مکانات نہیں تھے۔ تو ممکن ہے ان میں سے اکثر لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہوں جھونپڑی کی چھت گرنے سے انسان ہلاک نہیں ہو سکتا" (صفحہ ۳۱)

جب بستی تھی تو جیسی عمارتیں بستی میں ہوتی ہیں وہی ہونگی۔ علاوہ اسکے جو لوگ جھونپڑیوں میں نہ مرے تھے، پتھراؤ سے مارے گئے۔ آگے چلو۔

(۵) عرب اور اسکے اردگرد کے علاقوں میں خیموں کا زیادہ دستور ہے کیا سدوم والے خیموں میں نہیں رہتے تھے۔ اگر خیمے کی چھت گر جاوے تو جان کا خطرہ نہیں ہے" (صفحہ ۳۱)

ہم نہیں کہہ سکتے کہ موضع بہنول ضلع ہوشیارپور (مولد دھرمپال) میں خیمے ہیں یا اینٹیں ہیں ہم تو یہ جانیں کہ بستی ہے خیموں کا ثبوت تم دو۔ اچھا کوئی چھتوں میں نہ مرا ہوگا تو پتھراؤں سے مر گیا ہوگا آگے چلو۔

(۶) یہ کیسے معلوم ہُوا کہ چھت گرنے کیوقت وہ سارے کے سارے گھروں کے اندر ہی تھے اور کوئی باہر نہیں تھا ؟ کھیتوں کی رکھوالی کے لیے بھی کوئی باہر نہیں تھا ؟ اگر تھا تو وہ ضرور بچ رہا ہوگا۔ قرآن کی کسی آیت سے اسکا ثبوت دو" (صفحہ ۳۱)

بھلے مانس ! تُرک میں صاف لکھا ہے اور تم نے خود بھی صفحہ ۳۱ پر اُس فقرہ کو نقل کیا ہے کہ جو لوگ چھتوں کے نیچے تھے وہ تو نیچے دب کر مر گئے۔ اور جو باہر میدانوں میں تھے وہ پتھروں سے تباہ ہوئے اس فقرہ کو نقل کرکے تم نے اعتراض کیا ہے۔ اُس کا جواب۔ جواب نمبر ۱ میں (صفحہ) دیکھو۔ آگے چلو۔

(۸) "عذاب صبح کے وقت آیا۔ صبح کے وقت اکثر لوگ جاگ پڑا کرتے ہیں سوا کا دُکا سوتے ہوں تو ممکن ہے۔ صبح اُٹھتے ہی وہ پاخانہ وغیرہ کے لئے باہر جاتے ہیں یا کام کاج میں لگ جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جو لوگ چھتوں کے نیچے نہیں ہونگے وہ ضرور بچ رہے ہونگے"

پال! تیری گلے نہ دال۔ تم بی اے ہو یا بے تیل کے دیئے! تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ ہم نے تو تمہارے ان سب بیہودہ سوالوں کے جواب ایک ہی فقرہ میں دیدیئے ہیں جبکو تم نے خود ہی صفحہ ۳۱۱ پر نقل کیا ہے جو جواب نمبر ۵ میں ہم ہی تمہاری کتاب سے منقولہ نقل کر آئے ہیں کہ چھتوں کے نیچے والے چھتوں کے نیچے دبکر اور میدانوں والے پتھراؤ سے۔ ایک ہی بات کو لئے جاتے ہو۔ پھر اگر سوال ہوگا کہ تو عقل بڑی یا بھینس؟ تو خفا ہو جاؤ گے۔

اس صبح کے وقت عذاب آیا تھا۔ مگر تم جانتے ہو؟ صبح کتنے قسم کی ہے۔ سنو! ایک تو مسلمانی صبح ہے۔ جو اصل صبح ہے جس وقت کنارہ مشرق سفید ہونا شروع ہوتا ہے۔ کسی سماجی کی آنکھ اُس وقت کھلتی ہو تو کان کھولکر مسلمانوں کے محلوں سے سنے کہ ایک سُریلی سی عاشقانہ آواز اُس وقت آیا کرتی ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ جسکا مطلب ہوتا ہے ؎

علی الصباح کہ مردم بکاروبار روند ＋ بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند

ایک صبح ہندوانہ صبح ہے کہ سورج نکلنے کے قریب ایک لوٹا ہاتھ میں گڑوی دوسرے دھوتی تھامے ہوئے باہر کو جا رہے ہیں۔ پانی کے کنارہ پر سورج کے سامنے جو شب جو شب کہہ رہے ہیں۔ بتلاؤ ان دونوں صبحوں میں کتنا فاصلہ ہے۔ ہم سے سنو! آجکل جون جولائی کے مہینے میں اسلامی صبح ۴ بجے ہوتی ہے اور ہندوانی صبح ۵ بجے سے بعد ہوتی ہے۔ پس عذاب انکو مسلمانی صبح کے وقت آیا تھا۔ کیونکہ قرآن شریف میں مُصْبِحِیْنَ کا لفظ آیا ہے یعنی صبح میں داخل ہوتے ہی اور قرآن کے محاورہ میں صبح تو اسی کا نام ہے جو مسلمانی صبح ہے۔ بس ہو چکا اعتراض۔ آگے چلو۔

(۹) "کیا آپکے تمام مسلمان معتبر جنہوں نے بستیوں کے اُلٹے جانے کا ذکر کیا ہے۔ وہ غلط کہہ رہے ہیں؟" (ص ۳۱۱)

دیانندیو! دیکھا تمہارا پال آخر نیا فرنگی محقق نکلا ۲۲ مئی ۱۹۱۶ء کے اخبار پرکاش لاہور میں شخص

راؤں پر مدار رکھنے والے کو بہا سرجی نے "فرنگی محقق" کا خطاب دیاہے اب خود بھی وہی بنگئے۔
ہاں صاحب صاف صاف سنئے۔ آپنے رسالہ ترک اسلام لکھا تھا جسمیں آپ نے بزعم خود قرآن شریف پر اعتراض کئے اور ہر ایک اعتراض کے شروع میں لکھا کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ قرآن کی یہ تعلیم ہے اسلئے آپکا فرض تھا کہ جو کچھ مضمون لکھتے قرآن شریف کے لفظوں سے دکھاتے۔ لیکن افسوس کہ آپکا انقلاب آخر ہوا تو اس طرف ہوا کہ مفسرین نے لکھا ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ جو لکھا ہے وہ قرآن شریف سے دکھاؤ ورنہ اپنے رسالہ میں یہ نہ لکھو کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ کیا تم اپنے مذہب کے علماء اور مفسرین وید کی راؤں کے پابند ہو؟ سنو! اگر کچھ علم رکھتے ہو تو آئندہ کو جو اعتراض کرنا ہو قرآن شریف کے الفاظ میں دکھانا ہوگا ہاں تمہیں مشکل ہی کیا ہے جبکہ تم بقول دیانندیاں فاضل اجل مولوی محمد عبدالغفور ہو۔ بس خبردار! البتہ تمہارا یہ لکھنا قابل داد ہے کہ:-

"سنو! قرآن میں لکھا ہے:-

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى - فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى

ان چار پانچ لفظوں پر غور کرو اور پھر اپنی من گھڑت تاویل کو دیکھو۔ یہ آیت قوم لوط کی بابت ہے۔ اسمیں مُؤْتَفِكَةَ اور اَهْوٰى پر غور کیجیو۔

(۱) مؤتفکات۔ شہرہائے قوم لوط کہ برگردانیدہ شدہ است (صراح)

(۲) ایتفکت البلدۃ باھلہا ای انقلبت۔ پس مؤتفکات کے معنی ہی قوم لوط کے شہر ہیں جو کہ الٹا کرکے پھینکی گئے تھے۔ ایتفکت کے معنی ہیں الٹنا۔

(۳) المؤتفکات۔ مدائن قلبت علی اقوام لوط علیہ السلام (قاموس) مؤتفکات کے معنی ہیں وہ شہر جو کہ لوط کی قوم پر الٹے کئے گئے تھے۔

(۴) ایتفکت البلدۃ۔ انقلبت (پلٹا گیا) (قاموس)

(۵) افکہ۔ صرفہ قلبہ (قاموس)

یعنی افکہ کے معنے ہی پلٹ دینے کے ہیں۔

(۶) موتفکۃ = قری التی یتفکت باھلھا ای انقلبت (ھی قری قوم لوط بیضاوی)
یعنی موتفکۃ کے معنے ہیں ایسے شہر جو معہ باشندوں کے الٹا کئے گئے تھے۔ اور یہ
قوم لوط کے شہر تھے۔

(۷) ھوٰء = میان آسمان وزمین اھویۃ ج (صراح)

(۸) ھوٰیٰ = فرود افتادن بناگے۔ (صراح)

(۹) ھویٰ = بالفتح والضم (ھویا) تا سقط من علو الی سفل (قاموس)
ھوی کے معنی ہیں اونچے سے نیچے گرنا ہیں۔

(۱۰) اھوٰی = ای سقط بعد ان رفعھا فقلبا (بیضاوی)
اھوی کے معنی ہیں وہ گرا بعد اسکو کہ اٹھایا گیا تھا۔ اوپر اور لوٹا گیا تہا"
پس موتفکات اھوی کے الفاظ ہی خود بخود ظاہر کر رہے ہیں کہ لوط کی بستیاں الٹی
کر کے پھینکی گئی تھیں۔ کس طرح؟ اھوی یعنی ہوا میں اوپر اٹھا کر یا زمین و آسمان کے
بیچ میں لیجا کر نیچے پھینکدی گئیں" (صفحہ ۱۳-۳۱۲)

شاباش! یوں سیانے ہوکر چلو تو شاباش تو سنو! تمہاری اس ساری تقریر میں دو لفظ ہی بحث طلب
ہیں المؤتفکۃ اور اھوی چنانچہ تم نے بھی انہی پر زور دیا ہے پس سنو:

قرآن شریف کی ایک دوسری آیت نے ان سب جھگڑوں کو طے کر دیا ہے جسمیں ارشاد ہے
فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِھِمْ یعنی خدا کا حکم انکے مکانوں کی نیو کیطرف
سے آیا تو انکی چھتیں اوپر سے ان پر گر پڑیں۔ اس آیت میں چھتوں کا گرنا صاف لفظوں میں فرمایا ہے
گر عربی جانتے ہو تو سنو! آیت موصوفہ میں یہ لفظ ہیں خَرَّ (گریں) عَلَیْھِمْ (ان پر انکے) السَّقْفُ
(چھتیں) مِنْ فَوْقِھِمْ (انکے اوپر سے)۔

اب سنو! شہادت اسی آیت کی تفسیر۔ تفسیر درمنثور میں (جو سات سو برس کی مشہور تفسیر ہے)
یوں لکھی ہے۔ فائتفکت بہم بیوتہم فاھلکھم اللہ (جلد ۴۔ صفحہ ۱۱۰) دیکھئے آیت میں جو چھتوں کے
گرنے کا ذکر ہے۔ اسکو مفسر نے ائتفکت سے تعبیر کیا ہے۔ تفسیر ابن جریر میں بھی ایسا ہی لکھا ہے
تساقطت علیہم سقوف بیوتہم اذ اتی اصولھا وقواعدھا امر اللہ فائتفکت بھم منازلھم
(جلد ۱۴ صفحہ ۶۳)

یعنی اللہ کا حکم اُن کی نیوں پر پہونچا تو اُنکے گھروں کی چھتیں اُن پر گر پڑیں پس اُنکے مکان مؤتفکہ ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت میں ائتفکہ آیا ہے اُسکے معنے بھی یہی ہیں کہ اُنکی چھتیں اُن پر گر پڑیں نہ کہ اُنکو تہ و بالا کر دیا۔

پس ثابت ہوا کہ آپنے اپنے پیش کردہ حوالجات کو بھی نہیں سمجھا۔ سمجھتے بھی کیسے بقول منوجی جو کوئی قرآن[1] کے معنے بغیر بتلائے استاد کے کرتا ہے چور ہے دوزخ میں جائیگا۔" (دہیار ۲ شلوک ۱۰۱)

باقی رہا اہوی سو اسکے معنے تو بالکل صاف ہیں یعنی گرانا۔ کیا ۴ اپریل کے زلزلہ میں جو مکان گر گئے تھے یہاں تک کہ تمہاری ہندوازم کی کانگڑہ والی دیوی جو گری تھی وہ کیسے گری تھی۔ کیا اوپر کو اٹھا کر اُلٹ دی گئی تھی؟ (استغفر اللہ) نہیں بلکہ اوپر کی جانب نیچے کو آ گئی تھی۔ پس اسی کو اہوی کہتے ہیں اور جن مفسروں نے اسکے معنے میں بعد ان رفعہا (اُٹھاکر) کی قید لگائی ہے۔ یہ اُنکی مافی الضمیر کا اظہار ہے چونکہ وہ اُن روایات غیر صحیحہ سے ذہن میں بٹھا چکے تھے کہ لوط والوں کی بستیاں ضرور اٹھائی گئی تہیں اسلئے یہ قید لگا دی ورنہ اصل لفظ کا ترجمہ یہ نہیں چنانچہ حضرت اُستاد الہند شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فارسی ترجمہ میں یہ لفظ ظاہر نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے کہ "شہر مؤتفکہ را بر زمین افگند" اور اگر اس سے آگے کا لفظ دیکھیں تو پھر وہی معنے صحیح معلوم ہوتے ہیں جو ہم نے کئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى یعنے اُس بستی پر ایک بہت بڑی ڈہانپنے والی چیز آ گئی یعنی پتھراؤ۔ پس اگر وہ بستی تہ و بالا کر دیگئی تھی تو اس پتھراؤ کا کیا فائدہ تھا۔ تم تو کہدوگے کہ قرآن میں (معاذ اللہ) جہاں اور فضول باتیں بھری ہیں یہ بھی ایک فضول ہے مگر اس سوال کا جواب اُن علماء سے پوچھو گے جنکی تقویم پارینہ (اربعین) سے تم موقع بموقع کا بیان نقل کرتے ہو اور جنکو تم ہر بات میں اپنا مؤید لاتے ہو تو وہ اس سوال کا جواب یہ نہیں دینگے بلکہ کوئی وجہ بتلانے کی سعی کرینگے۔ پس تم اس توجیہ کو ہماری توجیہ سے مقابلہ کرنا اور ہمیں اطلاع دینا کہ کون اچھی اور معقول ہے۔

پیاری پال! ؎

رندوں کی صحبتوں میں ظالم تو جایا کر
جو کچھ وہاں تو دیکھے ہمکو بتایا کر

[1] منو میں وید ہے یہی حکم قرآن کا ہے ۔ منہ

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ

چھہترواں اعتراض

ثمودیوں اور شعیبیوں کو جو اللہ تعالیٰ نے چیخ مار کر تباہ کیا تھا آجکل ایسی چیخیں کیوں بند ہو گئیں؟

اسکا جواب دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے چیخ مارنے کے یہی معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس چیخ کے اسباب پیدا کر دیئے تھے۔ جیسے ہر ایک کام کے لئے وہ کیا کرتا ہے۔ ورنہ خدا نے خود چیخ نہ ماری تھی۔ اس کی جواب میں مہاشہ جی نے آیت مندرجہ عنوان کو لکھا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے اون پر ایک ہی چیخ ماری جس سے وہ تباہ ہو گئے۔ اس آیت سے ثبوت دیا ہے کہ خدا نے چیخ ماری تھی ص ۱۹-۲۱۴۔ حالانکہ آیت موصوفہ میں اَرْسَلْنَا کا لفظ ہے صِحْنَا کا نہیں۔ عربی میں جہاں چیخ مارنے کی حکایت کرتے ہیں وہاں صحنا بولتے ہیں۔ اسکا مادہ صیحہ ہے۔ گردان صاح یصیح وغیرہ کیجاتی ہے۔ لیکن جب ارسال ہو تو اُس کے معنے چیخ مارنے کے نہیں ہوتے بلکہ اسباب پیدا کرنے کے ہوتے ہیں۔

خیر اصل سوال تو آپکا یہ تھا کہ ایسی چیخیں اب کیوں بند ہو گئیں؟ اسکا جواب بھی سہل بلکہ سہل تر ہے کہ سزا کی تعیین اور وقت سزا دینے والا جانتا ہے۔ دوسرے کو اس کا کیا علم؟ جب اُس قسم کے گناہ کسی قوم سے سرزد ہونگے۔ ویسی سزا بھی انکو دیجائیگی۔ آجکل بھی اس قسم کے کئی ایک عذاب آتے ہیں۔ ہندوستان میں زلزلہ آیا۔ امریکہ میں آیا۔ اٹلی میں آتشیں پہاڑ پھٹا۔ سانفرنسسکو میں کان پھٹی جسکا آتشیں مادہ بحری سیلاب کیطرح میلوں تک بہ نکلا۔ اور ہزاروں آدمی تباہ ہو گئے۔

غرض آئے دن اس قسم کے عذاب آتے ہیں پھر یہ کیونکر کہا جاتا ہے کہ اب وہ چیخیں بند ہو گئیں؟ جناب من بند نہیں ہوئیں حسب موقع برابر آتی ہیں۔ مگر آپ کی آنکھیں بند ہیں۔ پھر کسی پر کیا الزام؟ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم۔

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ؟

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

ستہتر واں اعتراض

خدا کی کنکریاں مارنے پر تھا جو آیت زیب عنوان میں مذکور ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک جنگ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں سے مٹھی بھر کر کفار کی طرف پھینکی تھی جو حصہ رسدی سب کو پہونچ گئی۔ اُس واقع کی نسبت قرآن شریف میں یوں آیا ہے کہ اے نبی تو نے اُن کنکریوں کو اُن تک نہیں پہونچایا بلکہ خدا نے پہونچایا۔ کیونکہ یہ کام بطور معجزہ ظہور ہوا تھا جسکی بابت ارشاد ہے:-

مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

یعنی کوئی رسول خدا کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔" اسی لئے اسکا جواب دیا گیا تھا کہ دنیا میں جو کام ہوتے ہیں سب خدا ہی کرتا ہے۔ دیکھو اصول موضوعہ نمبرا مندرجہ ترک اسکا جواب آپ نے دیا اور کیا ہی معقول دیا۔ فرماتے ہیں:-

"دیکھو! جو دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں وہ اللہ میاں ہی کرتا ہے۔ زنا بھی وہی کرتا ہوگا چوری بھی وہی کرتا ہوگا۔ بدمعاشی بھی وہی کرتا ہوگا۔ جھوٹ بھی وہی بولتا ہوگا۔ لوٹ مار کا کام بھی وہی کرتا ہوگا۔ قتل وغارت کا کام بھی وہی کرتا ہوگا۔ گالی دینے کا کام بھی وہی کرتا ہوگا۔ جب یہ ساری کام وہی کرتا ہوگا۔ تو وہ زناکار۔ چور۔ بدمعاش۔ جھوٹا۔ لٹیرا۔ قاتل۔ منہ پھٹ بھی ضرور ہی ہوگا۔ شیطان کو بھی اُسی نے بہکایا ہوگا۔ وہی شیطان کا شیطان ہوگا" صفحہ ۳۲۵

سچ ہے ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دی آدمی کو موت پہ یہ بدادا نہ دے

دیانندیو! ہم سے تو توقع نہیں کہ اپنے گرو کے خلاف کچھ سمجھ سکو تم تو ایسے نہیں ہو۔ تمہیں تو دیا جو تھا اصول ۲ بھی دانت کیطرح یاد ہوگا۔ اسلئے ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ بیشک جو کام دنیا میں ہوتے ہیں وہ خدا ہی کرتا ہے مگر کیسے کرتا ہے۔ اصول موضوعہ نمبر ۲ کو دیکھو جو تمہاری خاطر ہم اس جگہ

پر بھی نقل کرتے ہیں :-

(۱) دنیا میں جو افعال ہیں سب اپنے اپنے اسباب سے وابستہ ہیں مگر تمام اسباب کے سلسلے کو چونکہ خدا ہی نے مرتب کر رکھا ہے اسلئے افعال کی نسبت جیسی اُن کے اسباب کی طرف کرنی جائز ہے مسبب الاسباب یعنی خدا کی طرف بھی روا ہے مثلاً جیسا یہ صحیح ہے کہ پانی کھیت کو ہرا بھرا کرتا ہے۔ ایسا یہ بھی درست ہے کہ خدا سرسبز کرتا ہے جس سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ اگر ویدک مت سے اسکا ثبوت چاہیں تو سنئے! پرمیشور کہتا ہے :-

میں پرمیشور اُس راج میں جہاں دھرم کی پابندی ہوتی ہے قائم رہتا ہوں میں اُس راج میں فوج کے گھوڑوں اور بیلوں کو قوت عطا کرتا ہوں۔ دیکھو وید ادھیائے ۲۰ منتر ۲ ۔

پس خدا کے کام کرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُس نے اسباب کا سلسلہ وابستہ کر رکھا ہے اُسی سلسلے سے نتائج پیدا ہوتے ہیں اُسی سلسلہ کا اثر ہے کہ ظالم قاتل تلوار اٹھا کر مظلوم مقتول کا سر اتار دیتا ہے۔ ہماری تقریر کی تصدیق نہو تو بتلاؤ کہ ایسا کیوں ہوتا ہے - نیز یہ بتلاؤ کہ ایکجوان مرد۔ جوان جمیلہ کو دیکھکر اُس پر گھوگیر ہو کر کچھ کا کچھ کر گذرتا ہے۔ تو کیوں ؟ اسکے لئے کوئی قانون قدرت والیشور کا نیم ہے یا نہیں ؟ بیشک ہے جسکا اظہار کسی نیچرل فلاسفر شاعر نے یوں کیا ہے۔ ؎

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم انکو چھوڑ بیٹھے ہیں
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے

یہ قدرت کے کرشمے ہیں اُسی نے یہ قانون بنا رکھے ہیں کہ تلوار سے جس کا چاہو سر اُتار دو۔

سماجی دوستو! تم تو نیچری تھے تمہیں کیا ہو گیا کہ اب یہ نیچرل رُول نہیں سمجھ سکتے ہو؟ بس جو کچھ ان دو مثالوں سے ثابت ہوتا ہے وہی ہمارے کلام کا مطلب ہے جسے تمہارا لیڈر ہماشہ دھرمپال نہیں سمجھا۔ سمجھے بھی کیسے جبکہ سمجھنے سے مطلب ہی نہیں۔

ہاں یہ سوال کہ ان بدکرداروں کو سزا کیوں ملتی ہے؟ سو اسکا جواب پہلے بھی کئی ایک دفعہ ہم مفصل سمجھا آئے ہیں کہ سزا انکو ارتکاب جرم کی ہے۔ خدا نے تو انکو ان کاموں کے کرنے کی طاقت بخشی تھی۔ پھر جائز و ناجائز استعمال کا علم بھی کرا دیا۔ کہ تلوار سے ظالم پر وار کرنا جائز ہے۔ مظلوم پر

ناجائز - شہوت رانی اپنی بیوی سے جائز ہے غیر سے ناجائز - اسی طرح ہر ایک برے کام کی کیفیت بتلا دی تھی مگر فاعل نے جو ان قدرتی طاقتوں کو بے محل خرچ کیا تو ماخوذ ہوگا - ہاں اس میں شک نہیں کہ کیا تو نیچرل قانون سے لیکن بے محل کیا - اسکی مثال سرکاری قانون میں سنو!

کچھ شک نہیں کہ جو کچھ ہم اور تم لوگ اشاعت وغیرہ کرتے ہیں - جلسوں میں لیکچر دیتے ہیں - تقریریں کرتے ہیں یہ سب قانون سرکاری سے کرتے ہیں - یعنی سرکار نے ایسا قانون بنا رکھا ہے - کہ جب چاہو زیر قانون جلسہ کرکے تقریریں کرو - دہوئیں دار لیکچر دو - لیکن اگر تقریر کرتے کرتے کہیں زبان پھسل گئی اور بیچ ایسے الفاظ کہے جو گورنمنٹ کی مرضی کے خلاف ہوں تو گو کہا جائیگا کہ جلسہ تو قانون کے موافق ہوا - مگر یہ شخص ضرور ماخوذ ہوگا - کیونکہ اس نے قانونی اختیارات کو بے محل برتا - بس یہی حال نیچرل مجرم کی ہے گو اسکی طاقتیں خداداد ہیں مگر استعمال انکا بے محل ہے - یہی معنے ہیں قرآن شریف کی آیت کے :- لَا یَرْضیٰ لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ (بندوں کے شرک وکفر کو خدا پسند نہیں کرتا یعنی راضی نہیں ہوتا -

پیارے پال! اس اصول کو یاد رکھنا اور آئندہ کو بھول کر بھی ایسا سوال نہ کرنا - **خبردار!**

اٹھترواں اعتراض

ترک اسلام میں فرشتوں کی مدد پر تھا - کہ اگر پہلے زمانہ میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کو اترتے تھے تو اب کیوں نہیں اترتے؟ جسکا جواب ترک میں دیا گیا تھا - کہ جس شرط سے فرشتوں کا نزول مشروط تھا - وہ اب مسلمانوں میں پائی نہیں جاتی - یعنی دینداری اور راست بازی چنانچہ ارشاد ہے :-

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

جسکا مطلب وید منتر میں تبلایا گیا تہا کہ :-

"جبتک لوگ دہرم پر چلتے رہتے ہیں تبتک سلطنت بڑہتی ہے اور جب بداعمال ہو جاتے ہیں - تو راج نیست ونابود ہو جاتا ہے - (رگ وید منڈل اول سوکت ۲۹ - منتر ۲)

اسکا جواب مہاشہ جی دیتے ہیں اور کیا ہی فہم و فراست سے دیتے ہیں - فرماتے ہیں کہ :-

یہ ہمارا اعتراض ایماندار یا بے ایمان ہونے پر نہیں ہے بلکہ فرشتوں کی کمک پر ہے کہ وہ کیا بلائیں ہیں۔" (صفحہ ۳۲۴)

اس جگہ بھی مہاشہ دھرمپال نے پہلو بدلا۔ اسلئے بہتر ہے کہ ہم آپکے ترک کی عبارت حرف بحرف نقل کردیں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا نے ہزاروں فرشتے اہل اسلام کی خاطر لڑنے کے لئے بھیجنے کا وعدہ کیا افسوس ہے کہ وہ آسمانی مدد تا ہنوز مفقود الخبر ہے۔ بیچارے مسلمان روس آسٹریا وغیرہ سے نکالے گئے وغیرہ" (ترک سوال ۵)

اس عبارت سے صاف عیاں ہے کہ آپ کا سوال یہ ہے کہ فرشتوں کی مدد کا جو وعدہ ہوا تھا وہ پورا کیوں نہوا جسکا جواب دیا گیا کہ جو لوگ اس وعدہ کے اہل تھے اُن سے تو پورا ہو چکا۔ ہاں آجکل کے ہم مسلمان۔ سو ہم لوگوں میں خود اسکی اہلیت نہیں۔ یہ جواب غالباً مہاشہ جی کو ایسا پسند آیا کہ سوال کی نوعیت ہی بدل ڈالی اب پوچھتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ فرشتے کیا بلا ہیں؟

سنو! فرشتے ایک مجردات کی قسم سے ہیں جنکو تمہاری جیسے کوڑ دماغ کے آدمی نہیں پا سکتے مگر دلیل عقلی سے ایسے وجود کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ عقل چاہتی ہے کہ علت اور معلول میں ایک قسم کی مجانست ہونی چاہئے چونکہ علت العلل باری تعالیٰ (اِلیشور) جسم اور جسمانیت سے خالی ہے اسلئے اُس کے معلولات تمام نہیں تو ایک نوع تو ایسی ہونی ضروری ہے جو جسم سے مجرد ہو تاکہ علت اور معلول میں گونہ مجانست پیدا ہو کر دیگر جسمانیات کے لئے ذرائع بنیں اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مجردات کا سلسلہ بھی ایک ہے جسکا نام ملائکہ ہے۔ اس سلسلہ کے ابطال پر آجتک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔

آگے چلکر آپ لکھتے ہیں کہ :-

"یہ فتح و شکست اتفاقیہ امر ہیں اگر فتح سے یہ مراد لیں کہ وہ فرشتوں کی مدد ہی سے حاصل ہوتی ہے اور فرشتے اُنکی ہی مدد کرتے ہیں جو ایمان میں کامل ہوں۔ تو بتاؤ مسلمانوں کو جو حضرت کے جیتے جی شکست ملی اور کافروں کو فتح ہوئی۔ کیا اس میں کافر زیادہ ایماندار تھے؟ کیا مسلمان کافروں سے کم ایماندار تھے؟ ہرگز نہیں۔ وہ جان

تو ٹکر لڑے - مگر شکست کھائی - معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی مدد کا ایک ڈھکوسلا تھا جو کم علموں کو خوش کرنے کے لئے ضروری تھا - اگر فتح ہوئی تو کہدیا کہ فرشتوں نے مدد کی - اگر شکست ملی تو کہدیا کہ تمہاری بزدلی تھی - وغیرہ وغیرہ " (صفحہ ٣٦٢)

کیا خوب! بہلا اگر یہی سوال ویدک منتر پر کیا جاتا تو مزا نہ منانا - جسمیں ذکر ہے کہ جبتک لوگ دہرم پر چلتے رہتے ہیں تبتک سلطنت بڑہتی ہے اور جب بداعمال ہو جاتے ہیں تو راج نیست و نابود ہو جاتا ہے -

(رگ منڈل - سوکت ٤ منتر ٢)

بتلاؤ آجکل یورپ دہرم خصوصًا ویدک دہرم پر چلتا ہے - ضرور چلتا ہے جبہی تو انگریزوں کے ہاں عام دستور ہے کہ کسی کی بیوی کسی کی بغل میں فائدہ یہ نیوگ کا اثر ہوگا - (جہیز)

پیارے پال! صحیح ہے - دہرم کا ایک ڈہکوسلا ہے - جب فتح ہوئی تو دہرم دہرم کہدیا جب شکست ہوئی تو خاموش بیٹھ گئے -

دیا نندیو! شیشے کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر برسانیوالا احمق ہے یا نہا بدھو؟ کہتے ہوئے چوتھے اصول کو یاد کر لینا - جو ہاتھی کے بیرونی دانتوں کی طرح نہایت ہی چمکیلا ہے -

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا

انا سیواں اعتراض

سورج کے سمندری دلدل میں ڈوبنے پر تہا - جسکا جواب دیا گیا تہا - کہ یہ قصہ ذوالقرنین کا ہے - جس نے سمندر کے کنارے پر سورج کو دلدل میں ڈوبتے سمجہا - کیونکہ آیت میں وَجَدَ کا لفظ ہے - جو افعال قلوب سے ہے - جسکا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے - اس جواب کا جواب مہاشہ جی دیتے ہیں اور کیا ہی معقول دیتے ہیں - آپ فرماتے ہیں :-

" ہم یہ بہی جانتے ہیں کہ وَجَدَ کا لفظ افعال القلوب میں سے ہے - مگر ہم آپکو بتا دینا چاہتے ہیں کہ افعال القلوب کو افعال الشک والیقین بہی کہتے ہیں - وہ الفاظ یہ ہیں -

حسبؔ ۔ظنؔ ۔خالؔ ۔زعمؔ ۔علمؔ ۔وجدؔ ۔رائیؔ ۔ ان میں سے پہلے چار شک و یقین دونوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اور آخر کے تین یقین محض کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ سارا جھگڑا وجد کے لفظ پر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ یقین محض کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہم اسکا ثبوت آگے چلکر دینگے۔ اور آپ کی بے علمی جہالت کورانہ تقلید اور اندھے تعصب کی پٹی کو آپکی آنکھوں پر سے کھولکر دکھا دینگے۔ کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے صحیح کہا ہے۔ اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔" (صلـ ۳۳۹)

پیارے پال! خفا تو تم بہت ہوئے۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ تمہاری یہ خفگی صرف ٹو دکا نہ ہے جسکی بابت کہا جاتا ہے ؎

کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن انکا + دو جفا کاروں کے پھندے میں ہے جوبن انکا

دیکھو تو تمہاری لیاقت کہ تم خود ہی مانتے ہو کہ "وجدؔ کا لفظ افعال القلوب سے ہے" پھر کہتے کیا ہو؟ یہی تو ہمارا مدعا تھا کہ افعال قلوب سے یعنی اُن فعلوں سے ہے جنکا صدور دل سے ہوتا ہے۔ نہ کہ ظاہری اعضا سے۔ پس وَجَدَ کا ترجمہ ہوا کہ ذوالقرنین نے سورج کو دلدل میں ڈوبتے سمجھا یا ہم تمہاری ہی مانے لیتے ہیں کہ یقین کیلئے ہے تو یہ معنے ہوئے کہ اُس نے سورج کے دلدل میں ڈوبنے کا یقین کر لیا۔ تو کیا ہوا یقین بھی تو دل ہی کا فعل ہے۔ مطلب ہمارا تو یہ ہے کہ یہ جو کچھ بھی بیان ہے ذوالقرنین کے عندیہ کا ہے۔ مثلاً کوئی مسلمان پارسا میاں جی سلطان محمد مرحوم جیسا بزرگ کہے کہ میرا لڑکا عبدالغفور دہریہ میاں ہو کر جب آریوں میں گیا تو اُس نے "نیوگ کو حلال یقین کر لیا"۔ تو کیا اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ میاں جی مرحوم کا اپنا عندیہ یہی تھا۔ کہ نیوگ حلال ہے + واللہ اگر تم اس کلام کے یہ معنے سمجھو گے تو تم سے ہرگز یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ تم ہماری سوال کا جواب دے سکو کہ **عقل بڑی یا بھینس؟**

پھر دیکھو تمہاری لیاقت کہ باوجودیکہ تم یہ مانتے ہو۔ کہ وَجَدَ افعال قلوب سے ہے پھر بھی کہتے ہو کہ:۔

"پس آیت کے معنے ہونگے کہ ذوالقرنین نے سورج کو ایک دلدل میں ڈوبتے دیکھا"

(تہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

بتلاؤ جس شخص کو اتنی بھی خبر نہیں کہ افعال قلوب کا ترجمہ افعال جوارح (حواس ظاہرہ) کے ساتھ کرنا غلط ہے۔ اس نے کہاں تک قرآن شریف کو سمجھا ہوگا۔ کیا اسی بوبرتے پر تتا پانی"! یہ کہتے ہو کہ

یہ قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔ اسکی معتبر سے معتبر تفاسیر ہمارے پاس موجود۔ اعلیٰ سے اعلیٰ عربی لغاتیں ہمارے پاس موجود۔ عربی گرامریں ہمارے پاس تمنا اللہ جیسے مولویوں کی پاگلانہ تحریریں موجود" (صفحہ ۳۴۰)

بیشک یہ سب کچھ تمہارے پاس ہوگا۔ مگر وہ کہاں سے لاؤ گے جس سے ان سب کو استعمال کیا جاتا ہے (یعنی سمجھ) یہ تو کہیں بازار سے نہیں ملتی۔ تمہاری عربی دانی تو ہم کبھی ایک دفعہ تغلیب میں بتلا آئے ہیں اسی جلد میں سوال نمبر ۱ کے ضمن میں ہم لکھ آئے ہیں کہ عربی لغات تو کیا تم نے صراح کی فارسی عبارت بھی نہیں سمجھی۔ یہ تو صرف تمہاری خالی خولی گیدڑ بھبکیاں ہیں۔ اگر خوں فاں نہ کرو تو بقول "اندھوں میں کانا راجہ" آریوں میں جناب **فضیلت مآب مولوی محمد عبد الغفور صاحب** کیونکر کہلا سکو؟

گو ہمارا مطلب اتنی ہی سے ثابت ہے جسے تم نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ وَجَدَ افعال قلوب سے ہے۔ لیکن یہاں سے آگے چکر جو تم نے آریوں سے مولویت کا ڈپلوما دستند لینے کو طول پر طول تحریریں وَجَدَ کے لفظ کا استعمال بتایا ہے اسکا جواب بھی دئے دیتے ہیں۔ سنو!

بعض افعال قلوب کبھی افعال جوارح کے معنے میں بھی آتے ہیں۔ یعنی افعال قلوب کے اصل معنے تو وہی ہوتے ہیں جو دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں جنکا صدور دل سے ہو۔ مگر کبھی ایسے معنے میں آتے ہیں جنکا صدور حواس ظاہرہ۔ زبان۔ آنکھ وغیرہ سے ہوا کرتا ہے چنانچہ عربی گرامر کی معتبر درسی کتاب **کافیہ** میں لکھا ہے۔ کہ:-

وبعضها بمعنى اخر يتعدى الى معنى واحد فظننت بمعنى اتهمت وعلمت بمعنى عرفت ورأيت بمعنى ابصرت ووجدت بمعنى اصبت	"بعض افعال قلوب کے معنے اور بھی ہوتے ہیں جنکی وجہ سے وہ ایک ہی مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ پس ظننت بمعنے اتہمت اور علمت بمعنے عرفت اور رأیت بمعنے ابصرت اور وجدت بمعنی اصبت بھی آتا ہے"

لیکن یہ افعال اُسوقت افعال قلوب نہیں کہلاتے - افعال قلوب اُسی وقت ہوتے ہیں جب اُنکا صدور دل سے تعلق رکہتا ہو - پس جب تم خود ہی مانتے ہو کہ وَجَدَ افعال قلوب ہی گو تم اس پر بہی زور دیتے ہو کہ بمعنے یقین کے ہی تاہم وہ فعل تو ذوالقرنین کے دل ہی سے صادر ہوا تہا - یعنے اُس نے ایسا سمجہا یا یقین کیا نہ کہ خدا نے اُسکی تصدیق کی کہ واقعی سورج دلدل میں ڈوبتا ہی -

پیاری پال! ہم تو تمہیں چاہتے تہو کہ عربی لٹریچر میں تمہاری کلی کہولیں مگر کیا کریں جب تم خود ہی سے نیم تن در گور باشد نیم تن در زندگی بنتے ہو - تو کہنا ہی پڑتا ہے ۔

بس جی بس معلوم شد ذات شما بافندگی

قالوا یا ذا القرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض

اکیسواں اعتراض

یاجوج ماجوج کے متعلق تہا کہ وہ آجکل کہاں ہیں تلاش سے ملتے کیوں نہیں؟ جس کا جواب دیا گیا تہا کہ یاجوج ماجوج ایک مفسد قوم تہی جو اُس زمانہ میں ہو کر مٹ گئی ہوگی - اُس کی تلاش کے ہم ذمہ وار نہیں - جن لوگوں نے کہا ہے کہ اُنکے کان اتنے بڑے تہے کہ سوتے وقت ایک کان اوپر لیتے اور ایک کان نیچے یا جو کہتے ہیں کہ بابا آدم کے خاک آلود نطفہ سے یاجوج ماجوج پیدا ہو گئے - اُن ہی سے پوچہو کہ تم لوگوں نے یہ باتیں کہاں سے لی ہیں - پہر اگر وہ قرآن یا حدیث کا پتہ بتلا دیں تو ہم سے جواب لو - اور اگر وہ کہیں کہ ہندوں کے مقابلہ پر ہم نے یہ باتیں بنائی ہیں جو ہندو کہا کرتے ہیں کہ مہادیو کی جٹا سے گنگا بہ نکلی وغیرہ وغیرہ تو اسکا جواب انہیں سے پوچہئے -

اسکا جواب جناب شرمی حسب عادت شریفہ کیا ہی نرم کلامی سے دیتے ہیں -

”کیا آپکے قرآن میں اللہ میاں نے ایسی ہی فضول باتوں کی بہرمار کر رکہی ہے کہ جن کی تلاش کرنا تضیع اوقات ہے؟ اگر آپ کے نزدیک اس قوم کا پتہ تلاش کرنا دیوانہ پن ہے تو تمہارے اللہ میاں نے اسکا ذکر کرکے اپنی دیوانگی کا ثبوت دیا پہر اور دیکہئے حدیثوں میں یاجوج ماجوج کا بڑے شد و مد سے ذکر آتا ہی - کیا

اُن حدیثوں میں بھی دیوانگی بھر رہی ہے - کیونکہ وہ بقول حضور ایک ایسی قوم کا نام بتاتی ہیں - جسکا پتہ تلاش کرنا دیوانگی ہے " (صہ ۳۵۰)

پیاری پال ! تمہیں کیا ہوگیا - کہ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ قرآن شریف جب کسی قوم کا ذکر نیکی یا برائی سے کرتا ہے - تو اُن کے نیک افعال کی رغبت دینی منظور ہوتی ہے - اور بُری کاموں سے نفرت - نہ کہ اُس قوم سے پورا انٹروڈیوس (تعارف) کرانا منظور ہے - پس قرآن شریف نے یاجوج ماجوج کا ذکر کیا ہے - لیکن اُن کے فسادات اور سلطان ذوالقرنین کی اصلاح بتلانے کے ارادہ پر - یہ نہیں کہ ہم کو یہ سکھایا ہو کہ تم انکو تلاش کرتے پھرو - کیونکہ قرآن شریف ایک وعظ و نصیحت کی کتاب ہے - نہ کہ جغرافیہ کی - پس جو بات اس میں آئیگی - اُس سے اصل غرض تہذیب اخلاق ہے - نہ کہ جغرافیکل اصطلاحات کا بتلانا - یہ مضمون پہلے بھی ہم کئی ایک دفعہ لکھ چکے ہیں - مگر تم اپنی بیہودہ گوئی سے باز نہیں آئے -

پھر آپ میری مغالطات نمبروار لکھتے ہیں :-

" **آپ کا مغالطہ نمبر ا** - آپ نے لکھا ہے کہ یہ کوئی قوم اسوقت بھی ذوالقرنین کی حد پر مفسد ہوگی " " ہوگی " کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو ٹھیک علم نہیں ہے - کہ آیا یہ قوم فی الحقیقت تھی بھی یا نہیں - مُنشئے " ہوگی " نہیں بلکہ قرآن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم " تھی " (صہ ۳۵۳)

اس کلام کو مغالطہ کہنے سے آپکی بی اے کی ڈگری کی کیفیت معلوم ہوتی ہے - کہ تم بی اے نہیں ہو بے تیل کے دئیے ہو - دیکھو " ہوگی " کے لفظ میں جو شک ہے وہ مطلقاً قوم کے وجود کی طرف راجع نہیں - بلکہ قوم کی تعیین کی طرف ہے - جیسے کوئی شخص تمہارا ترک اسلام پڑھکر کہے کہ کوئی مسلمان زادہ آریہ بنا ہوگا اُسنے یہ کتاب لکھی ہے - تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسکو مصنف کے وجود میں شک ہے بلکہ اُس کتاب کو کسی خاص فرد کی طرف منسوب کرنے میں شک ہے - پس قرآن شریف نے جو قوم یاجوج کے ہونے کی خبر دی ہے - یہ کلام اُس کے خلاف نہیں - صرف تمہاری سمجھ کا پھیر ہے - پس تمہارا یہ کہنا کہ " ہوگی " کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکو ٹھیک علم نہیں ہے کہ آیا یہ قوم فی الحقیقت تھی بھی یا نہیں " تمہاری لیاقت اور دیانت کا ثبوت دیتا ہے ؎

پڑیں پتھر سمجھ ایسی پہ وہ سمجھے تو کیا سمجھے

پھر آپ لکھتے ہیں :-

۶۔ آپ کا مغالطہ نمبر ۲ - آپ نے لکھا ہے " بھلا ان زمانہ کے انقلاب سے
اُس قوم میں بھی تنزل آیا - بھلا اُنکے تنزل کی آپ کے پاس کیا سند ہے ! کیا قرآن
کی کسی آیت سے اُنکا تنزل معلوم ہوا - یا کسی حدیث سے یا کسی تفسیر سے ! "

ایسی باتوں کا ثبوت قرآن و حدیث سے وہی مانگا کرتے ہیں - جو نیچرل کتاب سے بے خبر ہوتے ہیں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ قوموں کے ساتھ یہی ہوتا چلا آیا ہے - تو اس کے ثبوت کے لئے قرآن و حدیث سے کیا ثبوت درکار ہے - شاید کل کو تم یہ کہنے لگو کہ " یہ مسلمانوں کی قوم بڑے عروج پر ہو کر حسب قاعدہ قدرت تنزل پذیر ہو گئی " کہنے لگو - کہ کس آیت میں یا کس حدیث میں ایسا آیا ہے - علاوہ اس کے قرآن کی آیت سے بھی استدلال ہو سکتا ہے - کیونکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ ذوالقرنین نے اُن مفسدوں کی ادہر کرنے کیلئے روک کر دی تھی جس سے اُنکی لوٹ مار میں بہت بڑا حرج یقیناً آیا ہوگا - پس یہی ایک قرینہ اس بات کا ہے کہ اُس قوم نے لوٹ کھسوٹ کا وتیرہ چھوڑ دیا ہوگا - اور اپنے معمولی مشاغل میں لگ گئے ہونگے - گو اُنکی نسل اب بھی ہو مگر جس وصف سے وہ مشہور تھے یعنی فساد و عناد وہ چونکہ نہیں رہا - اسلئے کہا جاویگا کہ یاجوج ماجوج نہیں ہے - یہی معنے مرہٹوں کے سمجھے ہیں کہ اُنکا وہ وصف بد نہیں رہا - جس کیوجہ سے وہ مشہور تھے - گو اُنکی اولاد اور قوم موجود ہے -

انہی معنے کی تائید ایک حدیث میں بھی ملتی ہے جسمیں ارشاد ہے کہ قیامت کے نزدیک ہزار نو سو ننانویں کی تعداد جہنمی ہوگی جو یاجوج ماجوج سے پوری کی جاویگی " جو بالکل قرین قیاس اور محسوس بالمشاہدہ ہے - کیونکہ دنیا میں فسادیوں کی تعداد بمقابل صالحوں کے اتنی ہی ہے - کون نہیں جانتا کہ سب سے بڑھ کر مردم شماری بودھوں کی ہے جو خدا ہی سے منکر ہیں - دوئم درجہ عیسائیوں کی مردم شماری ہے جنکی کیفیت کا اظہار چنداں ضروری نہیں - آفتاب آمد دلیل آفتاب - مسلمانوں کی مردم شماری جو کروڑوں کی تعداد میں ہے - کیا یہ سب کے سب صالح ہیں ! ہرگز نہیں - بلکہ اکثر افراد اعلیٰ درجہ کے مفسد - شریر - اور بد اخلاق - رہے ہندو سو اُنکو تو آریہ سماجی بھی نرکی (جہنمی) بتلا رہے ہیں - ان سے علاوہ دیگر قومیں بھی اسی طرح کوئی بھی اُس صلاح کی پابند نہیں ہیں جو قرآن شریف پیش کرتا اور سکھاتا ہے - پس بعد تلاش بسیار کے صالحوں اور مفسدوں کی وہی نسبت نکلیگی جو ایک کو نو سو ننانویں سے ہے - حالانکہ نو سو ننانویں کو یاجوج ماجوج کہا گیا - پس ثابت ہوا کہ فسادی قوم یاجوج ماجوج ہے - اگر یہ سوال ہو کہ جب مفسد

لوگ یاجوج ماجوج ہیں تو پھر قیامت کے قریب کون آویگا - یہ تو اسوقت بھی موجود ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک موجود ہیں لیکن جس زور و شور پر اسوقت ہونگے وہ آجکل نہیں - اُس زور و شور کی کیفیت بھی حدیث میں آئی ہے کہ لا یقال اللّٰہ اللّٰہ یعنی ایسی بدینی و الحاد پھیلیگا کہ دنیا میں کوئی شخص خدا کا نام لینے والا بھی نہ رہیگا - پس وہ وقت ہوگا - جسکی بابت ارشاد ہے اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ - یعنی قریب قیامت فسادیوں کا وہ زور ہوگا کہ الامان - پس اسے یاد رکھو اور اس سے زائد جو کوئی ایسی بات کہو جسکا مثبت یا مؤید قرآن نہو - اُس کے ہم ذمہ دار نہیں - انہی سے پوچھو - آگے پھر آپ کہتے ہیں :-

"آپ کا مغالطہ نمبر ۳ - آپ نے کہا ہے "یا تو ملیامیٹ ہو گئے یا رو باصلاح آگئے" تم ان کے ملیامیٹ ہونے کی سند دکھاؤ - یا ان کے رو باصلاح آنے کی سند پیش کرو - دونوں باتیں ہی ندارد - قرآن آپکے قول کی تردید کرتا ہے"

اسکا جواب نمبر ۲ میں آچکا ہے - تمہیں تو نمبر بڑھانے کا شوق ہے - پھر آپ لکھتے ہیں :-

"آپ کا مغالطہ نمبر ۴ - آپ نے لکھا ہے کہ "قیامت کے قریب بھی یاجوج ماجوج نکلیں گے - جو اسی قسم کے فساد اٹھائیں گے جیسے ذوالقرنین کے سرحدی مفسد فساد کرتے تھے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک قیامت کے قریب آنے والے یاجوج ماجوج وہ نہیں ہونگے جن کو ذوالقرنین نے دیوار کھینچکر قید کر دیا تھا بلکہ وہ کوئی اور ہونگے - خوب! بھلا اپنی بات کا کسی قرآنی آیت یا حدیث سے ثبوت تو دیا ہوتا"

اسکا ثبوت تو تمام قرآن میں ملتا ہے - تمام نیچرل کتاب سے ملتا ہے - بلکہ خود تم بھی مانتے ہوگے - کہ جن مفسدوں کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا - انکی عمریں اتنی نہیں ہونگی - پھر اس میں کیا شک ہے کہ جو مفسد قریب قیامت کے نکلینگے وہ - وہ نہونگے - جنکو ذوالقرنین نے بند کیا تھا -

اصل یہ ہے کہ ڈھٹائی اور بے حیائی کا تو کوئی علاج نہیں - خاصکر ایسے اشخاص سے جو اعلیٰ درجہ کے فحش اور بے حیائی دن رات کو بھی صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں اور بخیال خود کامیاب بھی ہو جائیں - لیکن اگر ٹھنڈے دل سے قرآن شریف کے مضمون پر غور کریں - تو

مضمون صاف ہے کہ رب العالمین نے یاجوج ماجوج کی تعریف مفسدین کے لفظ سے کی ہے یعنی فساد کرنے والے مفسدین گویا اُن کے لئے (ہم معنی دتعریف) ہے اور یاجوج ماجوج کا لفظ بھی اجر اور اجیج سے ہے جسکے معنے (تلهب النار) آگ بھڑکنے کے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یاجوج ماجوج ایسی قوم کا نام ہے جو مفسد ہو۔ خواہ کوئی ہو اور کسی زمانہ میں ہو اور کسی جگہ پر ہو۔

ہاں آپ کا استدلال اس دعوے پر کہ وہی یاجوج ماجوج قیامت تک رہیں گے یہاں سے بھی عجیب تر ہے۔ جہاں لکھتے ہو:۔

"ہم آپ کو قرآن کی آیت سے ہی دکھا دیتے ہیں کہ ذوالقرنینی دیوار کے مقید ہی قیامت کو یاجوج ماجوج ہونگے یا کوئی اور دیکھئے۔ ذوالقرنین دیوار بنا چکتا ہے۔ تو یوں ارشاد فرماتا ہے۔ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ الخ یہ میرے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ پس جب میرے رب کا وعدہ آپہنچیگا تو اس دیوار کو گرا دیگا۔ اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے (اس کے آگے اللہ میاں کہتا ہے) اور ہم چھوڑ دینگے بعضوں کو اسدن کہ موجزن ہونگے اوپر بعضوں کے پھر پھونکا جائیگا بیچ صور کے الخ پس ذوالقرنینی دیوار کا گرنا۔ اور یاجوج ماجوج کا نکلنا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ وہی یاجوج ماجوج ہونگے جو قید کئے ہوئے ہیں۔ محدثین اور تفسیریں یکزبان ہو کر اس آیت کی تائید کرتی ہیں۔ تو پھر آپ مغالطہ دینے والا کون؟" ص ۳۵

اس آیت کے ترجمہ میں تم نے ایک ایسا ڈبل جھوٹ بولا ہے کہ جس سے خطرہ ہے کہ تم کسی پنڈت سور کی جون میں نہ چلے جاؤ۔ سنو! اس آیت کے ترجمہ میں تم نے جو یہ لکھا ہے کہ "پھر پھونکا جادیگا بیچ سور کے" "پھر" کا لفظ تم کہاں سے لائے ہو۔ اس سے جو تمہاری غرض ہے میں خوب جانتا ہوں۔ آریہ سماج کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ مطلب برآری کے لئے جھوٹ بولدینا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ تمہارے سوامی دیانند نے کئی ایک جگہ جھوٹ بولا جس کے ثبوت کے لئے "حق پرکاش" میں ہم نے کئی ایک موقع پر انعام مقرر کئے مگر آجتک کسی دیانندی کو انعام لینے کا حوصلہ نہ ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس تمہارے پیشرو پنڈت لیکھرام نے "ثبوت تناسخ" میں جھوٹ بولا کہ آیت اِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ کے ترجمہ میں "تقیں" کا لفظ بڑھا دیا۔ اب تمہاری نوبت آئی تم

بہی اسمی چال چلی - کیوں نہو سے "گرو جہاندی ٹیڑہیں چیلے جانڑ شڑپ"

اب سنو آیت کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین دیوار کی مضبوطی دیکھکر اپنی کامیابی پر شکر یہ کرتا اور کہتا ہے کہ یہ میری پروردگار کی مہربانی ہے کہ ایسی مضبوط دیوار اس نے بنوادی لیکن جب میرے پروردگار کا حکم اس کے متعلق آئیگا - یعنی اسکا وقت پورا ہو جائیگا تو اس کو گرا دیگا جیسی ہر ایک عمارت بن بنا کر گرجایا کرتی ہے - کہو! **عقل بڑی یا بھینس؟**

لا یسمعون الی الملاء الاعلی ویقذفون من کل جانب

آریاسیوں اعتراض

تحریک اسلام میں شیاطین کے آسمانوں پر جانے اور ستاروں کے گرنے پر تہا - جسکا جواب تحریک اسلام میں دیا گیا تہا - کہ ستارے اپنی جگہ سے نہیں ٹوٹتے - بلکہ انکی تاثیر شیاطین کو مانع ہوتی ہے کیونکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ

یعنی ہم (خدا) نے آسمانوں کو ستاروں سے زینت بخشی ہے اور انہی ستاروں کو (جن سے آسمان کو زینت ہے) شیاطین کے لئے دہتکار بنایا ہے -

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ستارے باعث زینت سما ہیں انہی سے شیاطین کو دہتکا ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ جو ستارے ٹوٹتے نظر آتے ہیں یہ تو دو تین میل سے بہی نیچے کے ہوتے ہیں اور اکثر اگست - ستمبر کے مہینوں میں زیادہ ٹوٹتے ہیں - کیونکہ بارش کی وجہ سے ابخرات تصاعد ہوتا ہے اور اوپر پہونچکر منجمد ہو جاتے ہیں اور انمیں آگ لگکر روشنی پیدا ہو جاتی ہے - غرض یہ ٹوٹنے اور گرنے والے شعلے آسمانی ستارے نہیں جن سے آسمانوں کو زینت ہے - بلکہ وہ اور ہیں اور یہ اور - یہ ٹوٹتے ہیں وہ نہیں ٹوٹتے - اسکی ایسی مثال دیکہنی چاہئی کہ :-

یہ جیسے کوئی شخص بلندی پر پہونچکر سورج کو نظر بہر کر دیکہنا چاہے تو کامیاب نہیں

ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح شیطانوں کی ناکامی کی مثال ہے کہ روحانیات میں جاتا ہی تو ستاروں کی تاثیر سے ناکام واپس آگیا ہے۔"

مگر مہاشہ جی کو یہ مثال بھی پسند نہیں آئی۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں:۔

"آپ کی مثال بھی کیا ٹھیک ہی۔ بلندی پر چڑھتے ہوئے کسی کو ضرورت ہی کیا کہ سورج کی طرف دیکھے۔ شیطان بات چیت سننے جاتے ہیں۔ نہ کہ ستاروں کو دیکھنے۔ اگر آپکی مراد یہ ہو کہ روشنی سے انکی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہونگی۔ تو وہ آنکھوں کو بند کر لیتے ہونگے کیونکہ انہوں نے کانوں سے بات چیت سننی ہے نہ آنکھوں سے۔ پھر اگر ہم ستاروں کی مخالف تاثیر کو فرض بھی کریں۔ تو وہ قندیلوں کی طرح آسمان سے جڑے ہوئے ہیں نہ کہ ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کا بیان ہی مگر شوٹنگ سٹار تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک شعلہ آگ پہنچتا ہے اور یہ ہوتا بھی مثل اس آگ کے ہی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچائی جائے یا جیسے بندوق کے اندر سے سرخ شدہ گولی چلائی جاوے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے گھات میں لگے رہتے ہیں جب ہی کوئی شیطان نظر پڑ جاتا ہے تو فوراً فائر کر دیتے ہیں۔ اس فائر کی آواز بعض اوقات زمین تک سنائی دیتی ہے۔ ممکن ہی وہ فائر کی آواز نہ ہوتی ہو۔ بلکہ شیطان کی چیخ ہوتی ہو۔ کیونکہ فرشتوں کا نشانہ خطا تھوڑا ہی جاتا ہوگا۔ ہر روز لاکھ دو لاکھ شیطانوں کو تو لنگڑا لولا کر ہی چھوڑتے ہونگے۔ بعضوں کو جان سے ہی مار ڈالتے ہونگے۔ تمہارا شیطان تو ایک ہی تھا۔ کیا اُس نے بہت سے بچے دیدیئے ہیں۔ کہ آسمانوں پر رات دن اتنے شیطانوں کے برخلاف گولہ باری ہوتی رہتی ہے۔ اگر بچے دیدیئے ہیں تو اس کی عورت کون تھی؟ یا شیطان نے اپنے ساتھ ہی اغلام کر کے اپنے بچے پیدا کر لئے تھے۔ جیسا کہ ہم پیچھے ایک مسلمانی کتاب کا حوالہ دے چکے ہیں۔ اگر شیطان ایک ہی ہے۔ تو اُس کے لئے ایک ساعت میں ایک ہی گولہ کافی ہی۔ مگر اس صورت میں جبکہ وہ آسمانوں پر چلا جاتا ہوگا۔ تو زمین پر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے کون رہتا ہوگا۔ یا کیا اتنے عرصہ میں زمین پر کوئی گناہ نہیں ہوتا؟ اسٹرونومر تو بتاتے ہیں کہ رات دن برابر شوٹنگ سٹار واقع ہوتے رہتے ہیں تو

کیا شیطان بھی دن رات برابر آسمانوں کی چھت سے ہی چمٹا رہتا ہوگا - یا پیچھے کسی کو اپنا قایم مقام چھوڑ جاتا ہوگا - شاید اللہ میاں کو اپنا نائب بنا جاتا ہوگا کیونکہ وہ بھی گمراہ کنندہ ہی ہے - خیر اس بات کو تم جانو یا تمہارا اللہ جانے" ط ۹۹

کیا کہنے ہیں - ماشاء اللہ چشم بد دور - مثال پر اعتراض کرتے ہیں کہ بلندی پر چڑھتے ہوئے ضرورت ہی کیا ہے - کہ سورج کیطرف دیکھو - اجی جناب ضرورت سے تو بحث ہی نہیں نہ مطلب ہے - مطلب تو یہ ہے کہ ایک مانع کو دوسرے مانع سے تشبیہ دیجائے - اچھا دوسری تشبیہ لیجئو - جیسے تمہاری جیسا پکہ آریہ مرنے کے بعد جلتا ہو تو اسکی آگ اپنی طرف آنے سے مانع ہوتی ہے - کہئو - کیا رائے ہے - اب تمہارا یہ عذر بھی غلط ہوگیا کہ آنکھوں کو بند کر لیتے ہونگے - کیونکہ آنکھوں کا بند کر لینا اُس چیز کو جو وصول سے مانع ہے کافی نہیں ہو سکتا ہاں شیطان کی اولاد کی بابت تمہارا سوال بھی تمہاری ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے - سنو! قرآن شریف صاف کہتا ہے :- اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ (کیا تم اس شیطان کو اور اسکی اولاد کو اللہ سے دوسرا اپنا متولی اور کارساز بناتے ہو) اور سنو!

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ -

(وہ شیطان اور اس کے ساتھی تم کو ایسی جگہ سے دیکھ رہے ہیں کہ تم انکو نہیں دیکھتے) پس اب تو ثابت ہوا کہ شیطان کی ذریت بھی ہے جیسے آدم کی ہے - افسوس! تمہاری ناواقفی تم کو کیا کیا دن دکھائیگی -

ال یہ عجیب سوال ہے کہ شیطان جب آسمان پر جاتا ہے تو زمین پر مسلمانوں کو گمراہ کرنے والا کون ہوتا ہے - مناسب جواب اسکا تو یہ تہا - کہ اسوقت دنیا پر گمراہ کرنیوالا ستیارتھ پرکاش - ترک اسلام اور تہذیب الاسلام ہوتے ہیں - مگر ہم اسی پر قناعت نہیں کرتے - بلکہ تحقیقی جواب دیتے ہیں - کہ شیطان بندوں کی گمراہی کیلئے علت تامہ نہیں کہ سورج کی طرح جب تک رہے تبتک دھوپ بھی رہے اور جب علیحدہ ہو تو دھوپ بھی معدوم ہو جائے بلکہ شیطان گمراہوں کے لئے ایک مشیر ہے جسکا اثر غیبوبت کیوقت بھی رہتا ہے چنانچہ وہ کہیگا :-

مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

یعنی میرا تم پر زور نہ تہا - میں نے تو تم کو صرف بلایا تہا - تم نے میرا کہا مان لیا - پس تم مجھکو ملامت نہ کرو - بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو"

اس آیت سے شیطان کے گمراہ کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے - کہ وہ ایک مشیر ہو کی طرح

صرف بدمشورہ دیتا ہے - پھر لوگ اپنی اپنی استعداد کے موافق خود اُسکا اثر قبول کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ جیسے تم گجرانوالہ کے آریوں کی صحبت سے متاثر ہوئی ہو - کیا اب بھی گجرانوالہ کے آریہ تمہارے ساتھ پھرتی رہیں؟ نہیں بلکہ تم ایکدفعہ اثر لیکر اُن سے علیحدگی میں بھی وہی کام کر سکتی ہو جو اُنکی صحبت میں کرتے تھے - پس عقلمند ہو - تو جانو -

آسمان کی کیفیت تغلیب جلد ۲ میں بصفحہ ۲۷ مفصل مذکور ہے ملاحظہ ہو -

تنبیہ آریہ سماج کے بانی دیانندجی نے جو بدکلامی اور دل آزاری آریہ سماج کی گھٹی میں بھری تھی (دیکھو دیباچہ تغلیب جلد ۲) اُسکا اثر پہلے تو پنڈت لیکھرام نے قبول کر کے اُسکو اعلیٰ درجہ تک پہونچایا - گو لیکھرام کے زمانہ میں اُسکی بدتہذیبی انتہائی درجہ پر معلوم ہوتی تھی - مگر چونکہ ترقی کا زمانہ تھا اسلئے مہاشہ **دھرم پال** نے اُس سے بھی آگے قدم رکھا اور اپنے طریق عمل سے ثابت کر دیا کہ آرین تہذیب ابھی اپنے آخری زینہ پر نہیں پہونچی - اس لئے حسب منشاء آریہ سماج ہم نے بھی اپنے آرین دوستوں کا پیچھا کیا - اب بھی اگر مہاشہ دھرمپال اپنے کئے پر نادم نہوا بلکہ اپنے ہی طریق پر قائم رہا تو لاچار ہمیں بھی اپنے دوست کی خاطر بحکم ؎ چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو یہی برتاؤ کرنا ہوگا - پس ؎

من نگویم کہ ایں مکن آن کن + مصلحت بین وکار آسان کن -

خاکسار ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری

فہرست کتب فروختنی موجودہ مطبع اہلحدیث امرتسر

تفسیر ثنائی اردو - یہ تفسیر بطریق جدید نہایت ہی لطیف پیرایہ میں لکھی گئی ہے - زمانہ حال کے الحاد و ارتداد کا کافی علاج ساتھ ساتھ کیا گیا ہے -

جلد اول سورۃ فاتحہ و بقر - قیمت ۱۲/

" دوم " آل عمران نسا - " ۱۲/

" سوم " مائدہ - انعام اعراف " ۱۲/

" چہارم " نحل تک ۱۴ پارہ " ۱۲/

تقابل ثلاثہ - توریت انجیل اور قرآن کا مقابلہ ۱۲/

تفسیر القرآن بکلام الرحمن - عربی میں نہایت ہی آسان طرز کی تفسیر ہے - ہر ایک آیت پر دوسری آیت سے استشہاد ضرور ہے - تمام تفسیر کی قیمت ۱۲/

ادب العرب - عربی صرف و نحو کا اردو معلم ۸/

الہامی کتاب - وید اور قرآن شریف کا مقابلہ ۱۰/

بحث تناسخ - تناسخ اور مادہ کا ابطال ۳/

مباحثہ نگینہ - قابل دید کتاب - - ۸/

شادی بیوگان اور نیوگ - - ۱/

تغلیب الاسلام بجواب تہذیب الاسلام جلد اول ۵/

" " " " دوم ۶/

جلد سوم ۶/ " چہارم

حدیث نبوی اور تقلید شخصی - ۲/

دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن - مولوی عبداللہ چکڑالوی کی مفصل نماز برہان الفرقان کا جواب ۲/

الہامات مرزا - مرزا قادیانی کی پیشگوئیوں کی تردید ۵/

اسلام و برٹش لا - قانون انگریزی و اسلامی کا مقابلہ ۳/

حق پرکاش بجواب ستیارتھ پرکاش - - ۱۲/

اہلحدیث کا مذہب - موحدین کے مسائل ۴/

ترک اسلام - ترک اسلام کا معقول جواب ۶/

حدوث دنیا - دنیا کی قدامت کا ابطال ۲/

اسلامی تاریخ - بطرز حکایت - - ۱/

خصائل النبی - ترجمہ شمائل ترمذی - - ۱/

ہدایت الزوجین - خاوند بیوی کے حقوق ۱/

السلام علیکم - جملہ مذاہب کے سلاموں سے مقابلہ ۱/

آیات متشابہات - اصل تفسیر - - ۳/

شریعت و طریقت - - - ۱/

عزت کی زندگی - - - ۱/

چودھویں صدی کا مسیح - مرزا قادیانی کی سوانح عمری بطرز ناول - نہایت دلچسپ ۱۲/

حدوث وید - قدامت وید کا ابطال ۱/

ہفوات مرزا - مرزا قادیانی کے مضامین متناقضہ ۱/

سوامی دیانند کا علم و عقل - - ۱/

الہام جس میں الہام کی تشریح ہے - - ۱/

فتوحات اہلحدیث جس میں بڑے بڑے مقدمات کے فیصلے بحق اہلحدیث درج ہیں - - ۳/

تہذیب - ہندوں کے فرائض کا بیان - ۱/

مینیجر مطبع اہلحدیث امرتسر سے طلب کرو